بموقع: تحفظ سنت کانفرنس
زیرِ اہتمام: جمعیت علماء ہند

امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا حکم

قرآن، احادیث، آثارِ صحابہ وتابعین
اور مذاہبِ فقہا و محدثین کی روشنی میں

تالیف

حبیب الرحمن اعظمی
استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

شائع کردہ
جمعیۃ علماء ہند بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی

امام کے پیچھے مقتدی کی

قرأت کا حکم

قرآن، احادیث، آثارِ صحابہ وتابعین
اور مذاہب فقہاء ومحدثین کی روشنی میں

تالیف
حبیب الرحمٰن اعظمی
استاذ حدیث دارالعلوم، دیوبند، سہارنپور

ناشر
جمعیۃ علماء ہند۔ ا، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی۔۲

تفصیلات

نام کتاب	:	امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا حکم
تالیف	:	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
کمپیوٹر کتابت	:	حسینیہ کمپیوٹر سینٹر مدنی منزل دیوبند
سن طباعت	:	محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق مئی ۲۰۰۱ء
تعداد	:	تین ہزار

طباعت شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی۔۶ فون: 2943292

بموقع

تحفظ سنت کانفرنس

۷/۸/ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ ۲/۳/ مئی ۲۰۰۱ء

زیر اہتمام جمعیۃ علماء ہند

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

الحمدلله رب العالمین الذی جعل العلماء ورثة النّبیین ، والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آله وصحبه ومن تبعهم اجمعین.

اما بعد: علمی دنیا میں یہ بات معلوم و معروف ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین علماء و فقہا شرعی امور میں قرآن و حدیث کی جس قوت و شدت اور ہمہ گیری کے ساتھ پیروی کرتے ہیں وہ مذاہب فقہاء و محدثین میں ان کا ایک خاص امتیازی وصف ہے۔ کیوں کہ دیگر بہت سارے مجتہدین کی طرح امام ابو حنیفہؒ صرف مرفوع حدیث ہی کو حجت نہیں مانتے بلکہ وہ مرفوع احادیث کے ساتھ موقوف و مرسل حدیثوں کو بھی فقہی احکام و مسائل میں لائق استدلال مانتے ہیں، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اصول اجتہاد کو خود ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

اِنّی آخُذُ بکتاب الله اذا وجدته، فمالم اجده فیه اخذت بسنة رسول الله والآثار الصحاح عنه التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات، فاذا لم اجدفی کتاب الله ولا سنة رسول الله اخذت بقول اصحابه من شئتُ وادَعُ قولَ من شئت، ثم لا آخرُج عن قولهم الی قولِ غیرهم.

واذا انتهی الامرُ الی ابراهیم، والشعبی، والحسن، وعطاء،

وابن سیرین، وسعید بن المسیب – وعدّدَ رجالا – فقوم قد اجتهدو فلی ان اجتهدَ کما اجتهدوا(۱)"

(الانتقاء للامام الحافظ ابن عبد البر مع تعلیق الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ، ص:۲۶۴-۲۶۵)

ترجمہ: میں (شرعی احکام میں) اللہ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں جب وہ احکام مجھے کتاب الٰہی میں مل جائیں، اور جو احکام مجھے قرآن میں نہیں ملتے تو پھر سنت رسول اللہ اور ان صحیح آثار پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے منقول ہو کر ثقہ راویوں میں پھیل چکے ہیں، اور اگر کتاب الٰہی اور حدیث نبوی (دونوں) میں نہیں پاتا تو آپؐ کے صحابہ کے اقوال میں سے جسے چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں (البتہ حضرات صحابہ کے قول سے باہر نہیں جاتا کہ) سارے صحابہ کے قول کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو اختیار کرلوں۔

اور جب نوبت ابراہیم نخعی، عامر شعبی، محمد بن سیرین، حسن بصری، عطاء اور سعید بن مسیب (رحمہم اللہ) وغیرہ متعدد حضرات تابعین کے نام شمار کئے) تک پہنچتی ہے تو ان حضرات نے اجتہاد کیا لہٰذا مجھے بھی حق ہے کہ ان حضرات کی طرح اجتہاد کروں۔ یعنی ان حضرات کے اقوال پر عمل کرنے کی پابندی نہیں کرتا بلکہ ان ائمہ مجتہدین کی طرح خدائے ذوالمنن کی بخشی ہوئی اجتہادی صلاحیتوں کو کام میں لاتا ہوں اور اپنے فکر واجتہاد سے پیش آمدہ مسائل کو حل کرتا ہوں۔

امام ابن حجر ہیتمی مکی امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول یوں نقل کرتے ہیں۔

"لیس لاحدٍ ان یقول برائه مع کتاب الله تعالی ولا مع سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا ما اجمع علیه اصحابه" (خیرات الحسان، ص:۲۷)

(۱) وروی هذا الخبر الامام الصَّیمری المتوفی ۴۳۶ھ فی کتاب "اخبار ابی حنیفة واصحابه"، ص:۱۰، والامام الموفق المکی فی "مناقب ابی حنیفه" ج:۱، ص:۷۹، والحافظ الذهبی فی "مناقب الامام ابی حنیفه" ص:۲۰، والحافظ الصالحی الدمشقی فی "عقود الجمان" ص:۱۷۲، واللفظ هنا للصیمری وللموفق.

کسی شخص کو کتاب الٰہی، وسنت نبوی اور حضرات صحابہ کے اجماع کے مقابلے میں رائے زنی کا کوئی حق نہیں ہے۔

امام صاحب نے ان اقوال میں اپنے اصول اجتہاد کو واضح اور صاف لفظوں میں بیان کردیا ہے کہ وہ رائے واجتہاد سے اسی وقت کام لیتے ہیں جب انہیں کسی مسئلہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور حضرات صحابہ کے اقوال میں کوئی حکم نہیں ملتا۔ پھر ان اجتہادی مسائل میں بھی وہ اس درجہ احتیاط برتتے ہیں کہ حدیث ضعیف کے مقابلے میں بھی اپنے فکر واجتہاد کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ علامہ ابن القیم اپنی مشہور وگرانقدر کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

واصحاب ابی حنیفة رحمه الله مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث عنده اولیٰ من القیاس والرائ وعلی ذلك بنی مذهبه" (ج:۱، ص:۷۷)

امام ابو حنیفہ کے تلامذہ و متبعین کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے نزدیک قیاس ورائے سے اولیٰ و بہتر ہے اسی نظریہ پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اجتہادی مسائل میں امام صاحب احادیث وآثار سے آزاد ہو کر کبھی کوئی رائے قائم نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کا خاص اہتمام کرتے تھے کہ شرعی احکام میں جو رائے بھی قائم کریں وہ سنت واثر کے تابع ہو۔ پس یوں سمجھنا چاہیے کہ ظاہر میں تو وہ امام صاحب کا قول ہوتا تھا لیکن حقیقت میں وہ حدیث کی تفسیر وتوضیح ہوتی ہے، اسی لیے سرتاج محدثین امام عبد اللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے۔

"ولاتقولو رأیُ ابی حنیفة رحمه الله تعالی ولکن قولوا انه تفسیر الحدیث" (ذیل الجواہر المضیۃ، ج:۴، ص:۶۰)

لوگو یہ نہ کہا کرو کہ یہ ابو حنیفہؒ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی

تفسیرو بیان ہے ایک دوسرے موقع پرانہی امام المحدثین عبد اللہ بن مبارکؒ نے امام صاحبؒ کی اصابت رائے اور اسکی ضرورت واہمیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ان كان الاثر قد عرف واحتيج الى الرأى،فرأى مالك، وسفيان، وابى حنيفة، وابو حنيفة احسنهم وادقهم فطنة واغوصهم على الفقه،وهوا فقه الثلاثة" (تاريخ بغداد للخطيب،ج:١٣،ص:٣٤٣)

اگر حدیث معلوم و معروف ہو اور (اس کی مراد کی تعیین میں) رائے کی ضرورت ہو تو امام مالکؒ، امام سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ کی رائے (ملحوظ رکھنی چاہیے) اور امام ابو حنیفہؒ ان تینوں میں فہم وادراک میں زیادہ بہتر اور فقہ کی تہہ تک زیادہ پہنچنے والے تھے۔

اور امام المحدثین سفیان بن عیینہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے کوئی بات حدیث سے ہٹ کر نہیں کہی ہے بلکہ انہوں نے جو بھی کہا ہے اس کی تائید میں ایک دو حدیث موجود ہے۔ چنانچہ مشہور ثقہ محدث علی بن خشرم کا بیان ہے کہ۔

"كنا فى مجلس سفيان بن عيينة فقال: يا اصحاب الحديث تعلموا فقه الحديث لا يقهركم اصحاب الرأى،ماقال ابو حنيفة شيئًا الا ونحن نروى فيه حديثا او حديثين" (معرفة علوم الحديث للحاكم،ص:٦٦)

ہم سفیان بن عیینہ کی مجلس میں تھے تو انہوں نے کہا اے حدیث سے اشتغال رکھنے والو، حدیث میں تفقہ حاصل کرو ایسا نہ ہو کہ تم پر اصحاب فقہ غالب ہو جائیں، امام ابو حنیفہؒ نے کوئی بات ایسی نہیں بیان کی ہے کہ ہم اس سے متعلق ایک، دو حدیثیں روایت نہ کرتے ہوں۔

امام سفیان بن عیینہ نے اپنے اس ارشاد میں حاضرین مجلس کو دو باتوں کی طرف متوجہ کیا ہے ایک یہ کہ وہ الفاظ حدیث کی تحصیل وتصحیح کیساتھ حدیث کے معنی وفقہ کے حاصل کرنے کی بھی سعی کریں دوسرے امام صاحب کی اصابت

رائے اور بصیرت فقہ کی تعریف میں فرمایا کہ انکی رائے وفقہ حدیث کے مطابق ہے کیوں کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اسکی تائید و توثیق کسی نہ کسی حدیث سے ہو جاتی ہے۔ اس کمال اصابت رائے اور بے نظیر فقہی بصیرت کے باوصف تواضع و بے نفسی اور وسعت نظری وکشادہ ذہنی کا یہ عالم تھا کہ برملا فرماتے تھے۔

"هٰذا الذى نحن فيه رائٌ لانُجبر احدا عليه ولانقول:يجب على احد قبوله بكراهة فمن كان عنده شيء احسن منه فليات به"

(الانتقاء مع تعلیق شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، ص:٢٥٨)

یہ بات جو ہم کہہ رہے ہیں یہ (ہماری) رائے ہے کسی کو اس پر ہم مجبور نہیں کرتے، اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ناپسندیدگی کے باوجود کسی پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اور اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ اسے پیش کرے۔ (یعنی ہم اسے بسر و چشم قبول کرلیں گے)

امام خطیب بغدادی نے اپنی سند سے امام صاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

"هٰذا رأى وهو احسن ما قدرناعليه فمن جاء نا باحسن من قولنا فهو اولى بالصواب منّا" (تاریخ بغداد، ج:١٣، ص:٣٥٢)

یہ ہماری رائے ہے اور ہماری وسعت وقدرت کے مطابق یہ بہترین رائے ہے، اگر کوئی شخص ہمارے سامنے ہماری اس رائے سے بہتر رائے پیش کرے گا تو وہ ہمارے مقابلہ میں درستگی سے زیادہ قریب ہوگا۔

امام صاحب کی اسی اصابت رائے بے مثال فقہی بصیرت اور احادیث و آثار کی حد درجہ اتباع وپیروی پھر اس پر مستزاد کشادہ نظری اور تواضع وانکساری کا ثمرہ ہے کہ آج بھی جبکہ اعجاب كل ذى رأى برائة کا ظہور اپنے شباب پر ہے اور خود پسندی وخودرائی کا عام شیوع ہے پھر بھی عالم اسلام کی غالب اکثریت انہیں کی فقہ اور تفسیر نصوص کو حرز جان بنائے ہوئے ہے، ذلك فضل الله يوتيه من يشاء.

یہ رتبہ، بلند ملا جس کو مل گیا   ہر اک کا یہ نصیب یہ بخت رسا کہاں

اور برصغیر (ہندوپاک اور بنگلہ دیش) میں تو اسلام کے یہاں پورے طور پر داخلہ کے وقت ہی سے مسلمانوں کی تقریباً نوے فی صد سے بھی زائد اکثریت بغیر کسی فکری انتشار کے فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی احکام پر عمل کرتی رہی ہے۔

مگر مسلمانوں کے عہد زوال میں جب برطانوی سازشوں کے تحت مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پھیلانے کی غرض سے مذہبی فرقہ بندیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تو دیگر بہت سارے فرقوں کے علاوہ موحدین کے عنوان اور عدم تقلید کا نعرہ لیکر فقہ وفقہا بالخصوص امام ابوحنیفہ، ان کی فقہ اور ان کے مقلدین وتبعین کے خلاف ایک نئے فرقہ نے سر اٹھایا جسے اس وقت کے علماء راسخین مثلاً حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی، مولانا محبوب العلی جعفری تلمیذ خاص حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، مولانا عبدالخالق دہلوی استاذ مولانا سید نذیر حسین استاالکل جماعت غیرمقلدین مولانا نواب قطب الدین صاحب مظاہر حق شرح مشکوٰۃ وغیرہ "**لامذهبون کا فرقه**" کہا کرتے تھے لیکن اس فرقہ کی وفاداریوں کے صلہ میں برطانوی سرکار کی جانب سے اسے "اہل حدیث" کا پرکشش لقب حاصل ہو گیا۔ برطانوی سامراج کے عطا کردہ اسی لقب سے یہ فرقہ آج جانا پہچانا جاتا ہے۔ جس سے عام لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ دیگر مسلمانوں کے مقابلہ میں حدیث وسنت پر زیادہ عمل کرتے ہیں اس فرقہ سے وابستہ افراد بھی عوام الناس کو یہی باور کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ وہ فقہاء کی رائے واجتہاد کے بجائے سنت رسول ﷺ کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

چنانچہ اس فرقہ کے سرخیل جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب جو عام طور پر اعتدال پسند سمجھے جاتے ہیں اپنی جماعت اور دیگر مسلمانوں کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فرق درمیان، مقلدین مذاہب اور فرقہ موحدین کے فقط اتنا ہے کہ

موحدین (یہ آج کل کے اہل حدیث کا پہلا لقب تھا) نرے قرآن وحدیث صحیح کو مانتے ہیں اور باقی اہل مذاہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سنت اور طریقۂ شریعت ہے" (ترجمان وہابیہ، ص:۶۲)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس فرقہ کا عمل بالحدیث صرف دعوی کی حد تک ہی ہے چند اختلافی مسائل مثلاً قرأت خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر، وغیرہ کے علاوہ دیگر مسائل سے متعلق احادیث سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے ان کی تمام تر سعی وعمل کا محور بس یہی چند اختلافی مسائل ہیں گویا یہ فروعی مسائل نہیں بلکہ کفر وایمان کی بنیاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک ہر وہ شخص جو بلند آواز سے آمین کہے، رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے، سینے پر ہاتھ باندھے، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے وہ سچا پکا محمدی اور اہل حدیث ہے خواہ وہ جاہل مطلق اور بدکردار ہی کیوں نہ ہو اس کے بالمقابل جو ان مسائل پر عمل نہ کرے وہ عالم باعمل ہونے کے باوجود نہ محمدی ہے اور نہ اہل حدیث۔ یاللعجب۔

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد

واقعی اگر یہ لوگ سچے حدیث والے ہوتے اور ان کے دلوں میں احیاء سنت کا جذبہ ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت پر مرمٹتے جب کہ روزہ مرہ کا مشاہدہ اور تجربہ بتا رہا ہے کہ سونے، جاگنے، چلنے، پھرنے، کھانے، پینے، ملنے جلنے، معاملات ومعاشرت وغیرہ سے متعلق حدیثوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں بلکہ ان کے علماء کے فتوؤں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سنن مؤکدہ کی بھی ان کے یہاں کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

چنانچہ فتاوی ثنائیہ میں ایک سوال اور اس کا جواب یوں درج ہے۔

کوئی شخص فرض نماز ادا کرے اور سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ترک کردے تو خدا کے پاس اس ترک سنت کا کیا مواخذہ ہوگا؟

جواب: سنتوں کی وضع رفع درجات کے لیے ہے ترک سنن سے رفع درجات میں کمی رہتی ہے مواخدہ نہیں ہوگا انشاء اللہ۔ (ج:۱، ص:۶۲)

ان کا اصل منشاء تو مسلمانوں کے اندر اختلاف وانتشار پھیلانا ہے اس لیے چن چن کرانہیں اعمال کو اور ان سے متعلق احادیث کو اپنی بحث ونظر اور اتباع وعمل کا محور بناتے ہیں جن میں ائمہ مجتہدین اور اکابر محدثین مختلف الرائے ہیں انہیں مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قرأت خلف الامام کا بھی ہے جسے آج کل کے غیر مقلدین نے کفر وایمان کے درجہ میں پہنچا رکھا ہے اور قریہ قریہ شہر شہر تقریروں وتحریروں کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ کرتے پڑھتے ہیں کہ۔

فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی۔

فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی کسی کی نماز نہیں ہوتی۔

جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے باطل ہے۔ اسلئے سارے حنفی تارک صلوٰۃ اور بے نمازی ہیں۔

ان کی اس بیجا سرگرمیوں سے متاثر ہو کر بعض لوگ اپنی نمازوں کے سلسلے میں تذبذب کے شکار ہوگئے اور اس کے نتیجے میں وہ نماز ہی چھوڑ بیٹھے چنانچہ اس صورت حال کو دیکھ کر بمبئی کے بعض احباب نے بندہ سے ایک ایسا رسالہ مرتب کرنے کی خواہش کی جس میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کی حدیثیں ہوں۔ بندہ نے اپنی درسی مصروفیت کا عذر ان کے سامنے رکھا کہ تدریس کے ساتھ یہ کام دشوار طلب ہے، مگر ان دوستوں نے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ بندہ سے یہ مطالبہ کرتے رہے اسی دوران اپنے بعض بڑوں نے بھی باصرار حکم دیا کہ یہ کام پورا کرو اب میرے لیے مزید عذر کی گنجائش نہیں رہی اس لیے بنام خدا کام شروع کر دیا۔

یہ رسالہ چونکہ عام مسلمانوں کے علمی معیار کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے اس لیے علمی وفنی مباحث سے احتراز کرتے ہوئے فقط احادیث اور اسکے ترجمے

اور بقدر ضرورت تشریح کے لکھنے پر اکتفاء مناسب سمجھا گیا البتہ حاشیہ میں بعض احادیث کے سلسلے میں اختصار کے ساتھ ضروری اصولی مباحث بھی درج ہیں چونکہ علماء غیر مقلدین کی یہ عام عادت ہے کہ اپنے نقطۂ نظر کے خلاف صحیح وحسن درجہ کی احادیث میں بھی کھینچ تان کر کوئی فنی سقم پیدا کر کے اسے رد کر دیتے ہیں اس لیے جن احادیث کے بارے میں ان کی جانب سے اس طرح کا غیر علمی وبیجا رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ ان میں یہ مباحث ناگزیر تھے۔

احادیث کے نقل میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر حدیث کا درجہ خود حضرات محدثین کے اقوال واصول کے حوالے سے متعین کر دیا جائے۔ حتی الوسع اس کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات بغیر حوالہ نہ لکھی جائے رہا معاملہ بھول چوک کا تو یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اس سے کون بچا ہے۔ رسالہ کی ترتیب یوں قائم کی گئی ہے کہ سب سے پہلے مسئلہ زیر بحث میں قرآن سے دلیل پیش کی گئی ہے پھر احادیث رسول ﷺ نمبروار درج ہیں۔ بعد ازاں حضرات صحابہ اور تابعین عظام کے آثار واقوال نقل کئے گئے ہیں اور آخر میں اس مسئلہ سے متعلق ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذاہب بیان کئے گئے ہیں۔ ان مباحث سے ایک منصف مزاج اور حق پسند بخوبی اس نتیجہ پر انشاء اللہ پہنچ جائیگا کہ بعض لوگوں کی جانب سے جو یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والوں کی نماز صحیح نہیں ہوتی دلائل وبراہین کے اعتبار سے ایک بے اصل اور بے بنیاد بات ہے۔

حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی

۱۰ر شوال ۱۴۱۹ھ

قرأت خلف الامام اور قرآن حکیم

امت مسلمہ کا بغیر کسی اختلاف کے اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ اسلامی احکام ومسائل کا اولین سرچشمہ رب العالمین کی آخری کتاب "قرآن حکیم" ہے جس کا ایک ایک جملہ اور ایک ایک حرف منزل من اللہ ہے۔ اور جو مقام ومرتبہ رفعت وبلندی، قوت وقطعیت کلام اللہ کو حاصل ہے وہ کسی مجموعہ کلام اور علمی دفتر کو میسر نہیں۔

قرآن حکیم کی ان عظیم صفات کی بناء پر دینی معاملات ومسائل میں ایک مسلمان کی نظر سب سے پہلے اسی کی طرف اٹھتی ہے اور کتاب الٰہی سے ثابت حکم پر اسے جو انشراح صدر، یقین ووثوق اور اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے کسی اور مراجع سے علم واذعان کی یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔

اس لیے اصولی طور پر مسئلہ زیر بحث میں سب سے پہلے قرآن حکیم ہی کی جانب رجوع کیا جانا چاہیے اور احکم الحاکمین نے ہمیں اس کا مکلّف بھی کیا ہے۔ فرمان خداوندی ہے "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ" الآیۃ، پھر کتاب الٰہی سے جو حکم معلوم ہو جائے قیل وقال اور چون وچرا کے بغیر اس کے آگے سر تسلیم کر دینا ہی ہماری بندگی واطاعت شعاری کا تقاضا ہے۔ لہٰذا آیئے کتاب اللہ کو دیکھیں کہ اس مسئلہ میں اس کی ہدایت کیا ہے؟ پڑھیے سورۂ اعراف کی آیت ۲۰۴۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ" اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

آیت پاک اور اس کے ترجمہ کے بعد ذیل میں تلامذہ رسول ﷺ

اور ائمہ تفسیر وحدیث کو دیکھیں کہ مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سلف صالحین آیت مذکورہ کی تفسیر اور مراد ومعنی کیا بیان کرتے ہیں۔

۱۔ عمدۃ المفسرین امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"ثم اختلف اهل التاويل فى الحال التى امر الله بالاستماع لقارئ القرآن اذا قرأ والانصات له فقال بعضهم: ذلك حال كون المصلى فى الصلوة خلف امام يأتم به وهو يسمع قرأة الامام عليه ان يسمع لقراته، وقالوا: فى ذلك نزلت هذه الآية"

(جامع البیان معروف بہ تفسیر ابن جریر طبری، ج:۶، ص:۲۱۶)

علمائے تفسیر اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ وہ کون سی حالت ہے جس میں قرآن پڑھنے والے کی قرأت کی جانب کان لگانے اور چپ رہنے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔ بعض ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ یہ اس نمازی کا حکم ہے جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے اور امام کی قرأت سن رہا ہے اس حال میں اس پر استماع وانصات یعنی قرأت کی جانب متوجہ رہنا اور خاموش رہنا واجب ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول یہی ہے۔

اس کے بعد تفصیل کے ساتھ حضرات صحابہ اور ائمہ تفسیر وحدیث میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور امام زہری، عبید بن عمیر، عطا بن رباح، مجاہد، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، ضحاک، ابراہیم نخعی قتادہ، عامر شعبی، سدی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کے آثار واقوال سند کے ساتھ نقل کئے ہیں جو مذکورہ بالا تفسیر وتاویل کے قائل ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں:

"وقال آخرون:بل عنی بهٰذه الآیة الامر بالانصات للامام فی الخطبة اذا قری القرآن فی خطبة" (ج،٦،ص:٢١٩)

اور دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں خاموش رہنے کا جو حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب خطبہ میں قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو (گویا اس آیت کا تعلق نماز میں امام کی قرأت سے نہیں بلکہ خطبہ میں خطیب کے قرآن پڑھنے سے ہے)

اس قول کے قائلین میں سے صرف امام تفسیر مجاہد بن جبر کا نام ذکر کیا ہے۔

بعد ازاں تیسری تفسیر کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

وقال آخرون: عنی بذلك،الانصات فی الصلوٰة وفی الخطبة" (ج:٦،ص:٢١٩)

یعنی اس آیت میں نماز اور خطبہ دونوں میں انصات اور خاموش رہنا مراد ہے۔

اس قول کے تحت امام مجاہد، عطاء، حسن بصری اور سعید بن جبیر سے منقول آثار سند کے ساتھ نقل کیا ہے آیت مذکورہ کی تفسیر سے متعلق ان تینوں اقوال کو ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں ذکر کی ہے۔

قال ابو جعفر: واولی الاقوال فی ذلك بالصواب قول من قال امروا باستماع القرآن فی الصلوٰة اذا قرأ الامام وکان من خلفه ممن یأتم به ویسمعه وفی الخطبة،وانما قلنا ذلك اولی بالصواب، لصحة الخبر عن رسول الله ﷺ انه قال: "اذا قرأ الامام فانصتوا" واجماع الجمیع علی ان من سمع خطبة الامام ممن علیه الجمعة الاستماع والانصات لها؛ مع تتابع الاخبار بذلك عن رسول الله ﷺ وانه لا وقت یجب علی احد استماع القرآن. والانصات لسامعه من قارئه الافی هاتین الحالتین علی اختلاف فی احدهما،

وهی حالة ان یکون خلف امام مؤتم به وقد صحّ الخبر عن رسول الله ﷺ بما ذکرنا من قوله"اذا قرأ الامام فانصتوا" فالانصات خلفه لقرأته واجب علی من کان به مؤتما سامعا قرأته بعموم ظاهر القرآن والخبر عن رسول الله ﷺ۔

(تفسیر ابن جریر طبری،ج:٦،ص:٢٢٠-٢٢١ مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

ان تینوں اقوال میں اقرب بالصواب اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے اور خطبہ بھی ہم نے اس قول کو سب سے زیادہ صحیح بایں وجہ کہا ہے کیوں کہ آنخضرت ﷺ کی صحیح حدیث ہے "اذا قرأ الامام فانصتوا" جب امام قرأت کرے تو چپ رہو،اور سارے علماء کا اتفاق ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان پر بوقت خطبہ استماع وانصات لازم ہے۔اس اجماع کے ہوتے ہوئے اس بارے میں نبی کریم ﷺ کی بکثرت حدیثیں بھی ہیں بس ان دو حالتوں کے علاوہ کسی وقت بھی قرأت قرآن کے سننے والے پر استماع وانصات یعنی اس قرأت کی جانب ہمہ تن گوش متوجہ ہونا اور چپ رہنا واجب نہیں اگرچہ امام کے پیچھے مقتدی کے استماع وانصات کے بارے میں اختلاف ہے لیکن آنخضرت ﷺ کی صحیح حدیث سے جس کو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ثابت ہے کہ مقتدی پر جو امام کی قرأت کو سننے والا ہے خاموش رہنا واجب ہے،کیوں کہ قرآن حکیم کے ظاہری وعمومی الفاظ اور رسول خدا ﷺ کی حدیث سے یہی ثابت ہے۔

امام ابن جریر طبری کی اس عبارت سے صاف طور پر یہ بات سامنے آگئی کہ ہر قرأت کے سننے والے پر استماع وانصات لازم نہیں ہے بلکہ یہ وجوب صرف اس شخص پر ہے جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے کیوں کہ قرآن

حکیم کے ظاہر اور صحیح احادیث کا تقاضہ یہی ہے۔

۲-امام ابو بکر احمد بن علی رازی الجصاص متوفی ۳۷۰ھ اپنی مشہور و محققانہ کتاب احکام القرآن میں آیت مذکورہ کے تحت رقمطراز ہیں:

فقد حصل من اتفاق الجميع انه قد اريد ترك القرأة خلف الامام والاستماع والانصات لقرأته، ولولم يثبت عن السلف اتفاقهم على نزولها في وجوب ترك القرأة خلف الامام لكانت الاية كافية في ظهور معناها وعموم لفظها ووضوح دلالتها على وجوب الاستماع والانصات لقرأة الامام وذلك لان قوله تعالى "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ وَاَنْصِتُوا" يقتضي وجوب الاستماع والانصات لقرأة القرآن في الصلوة وغيرها، فان قامت دلالة على جواز ترك الاستماع والانصات في غيرها لم يبطل حكم دلالته في ايجابه ذلك فيها وكما دلت الآية على النهي عن القرأة خلف الامام فيما يجهر به فهي دلالة على النهي فيما يخفى لانه اوجب الاستماع والانصات عند القرأة ولم يشترط فيه حال الجهر من الاخفاء فاذا جهر فعلينا الاستماع والانصات واذا اخفى فعلينا الانصات بحكم اللفظ لعلمنا به قارئ للقرآن"

(ج: ۳، ص: ۲۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ۱۴۱۲ھ)

تمام علماء کے اتفاق سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی مراد امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا اور اس کی قرأت کی جانب ہمہ تن گوش متوجہ ہونا اور خاموش رہنا ہے۔ اور اگر بالفرض سلف سے یہ اتفاق ثابت نہ ہوتا کہ اس آیت کا شان نزول امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کا وجوب ہے جب بھی یہ آیت بجائے خود اپنے ظاہر معنی اور عموم لفظ کے اعتبار سے امام کی قرأت کے وقت استماع و انصات (کان

لگانے و چپ رہنے) کے وجوب پر واضح اور کافی و شافی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ وَاَنْصِتُوا" (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی جانب کان لگاؤ اور خاموش رہو) کا تقاضا ہے کہ نماز یا خارج نماز بہر حالت قرأت کے وقت اس کے سننے والے پر استماع و انصات واجب اور ضروری ہوگا۔ اور جب خارج نماز ترک استماع وانصات پر دلیل ثابت ہو گئی تو یہ دلیل داخل نماز قرآت کے استماع وانصات کے وجوب کو ختم نہیں کر سکتی (بلکہ اس کا وجوب بحالہ باقی رہے گا)

پھر یہ آیت جہری نمازوں کی طرح سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت کرنے سے مانع ہے کیوں کہ آیت میں جہر و سر کی قید کے بغیر محض قرأت قرآن کے وقت استماع وانصات کو واجب کیا گیا ہے لہٰذا امام کی جہری قرأت کے وقت بھی استماع وانصات ہم پر ضروری ہوگا اور سری قرأت کے وقت بھی استماع وانصات ہم پر لازم ہوگا کیوں کہ (سری نمازوں میں بھی) ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ ہمارا امام اس وقت قرآن کی قرأت کر رہا ہے۔

امام جصاص رازیؒ کی خط کشیدہ عبارت سے واضح ہے کہ سلف صالحین کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول امام کے پیچھے ترک قرأت کے حکم کو بیان کرنا ہے۔ امام رازی مزید یہ بتا رہے ہیں کہ اگر اسلاف کا یہ اتفاق و اجماع نہ ہوتا پھر بھی یہ آیت اپنے ظاہری معنی اور عموم الفاظ کے اعتبار سے بجائے خود اس بات کو واضح طور پر بتا رہی ہے کہ امام کی قرأت قرآن کے وقت مقتدیوں کو قرأت کرنا درست نہیں۔

بلکہ وہ جہری نمازوں میں ہمہ تن گوش ہو کر خاموشی کے ساتھ امام کی قرأت کو سنیں اور سری نمازوں میں قرأت قرآن کی عظمت کا تقاضا ہے کہ

اس وقت کچھ پڑھنے کی بجائے ادب کے ساتھ خاموش رہیں۔

۳-امام حافظ ابوعمر یوسف بن عمر معروف بہ ابن عبدالبر نمری متوفی ۴۶۳ھ اپنی بے مثال کتاب التمہید میں قرأت خلف الامام کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قال ابو عمر: فی قول الله عزوجل" وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا" مع اجماع اهل العلم ان مراد الله من ذلك فی الصلوة المکتوبة،اوضح الدلائل علی ان المأموم اذا جهرا مامه فی الصلوة انه لا یقرأ معه بشیء وان یستمع له وینصت،وفی ذلك دلیل علی ان قول رسول الله ﷺ "لاصلاة لمن لم یقرأ فیها بفاتحه الکتاب مخصوص فی هذا الموضوع وحده اذا جهرامام بالقرأة لقول الله عزوجل "واذا قُرِئَ الْقُرْآنُ فاستمعوا له وانصتوا"،وماعدا هذا الموضوع وحده فعلی عموم الحدیث، وتقدیره"لاصلاة یعنی الرکعة لمن لم یقرأ فیها بفاتحة الکتاب الا لمن صلی خلف امام یجهر بالقرأة فانه یستمع وینصت"

(التمهید لما فی الموطا من المعانی والاسانید،ج:۱۱، ص:۳۰-۳۱ مطبوعہ ۱۴۰۶ھ)

حضرات علماء کے اس اجماع واتفاق کے باوجود کہ آیت "واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا" کا شان نزول فرض نماز ہے، خود اللہ بزرگ وبرتر کے اس فرمان میں یہ واضح دلیل موجود ہے کہ امام جب جہر اور آواز کے ساتھ قرأت کرے تو اس کے پیچھے مقتدی کچھ بھی نہ پڑھیں بلکہ ہمہ تن گوش ہو کر خاموش رہیں، اور یہ آیت اس کی بھی دلیل ہے کہ رسول خدا ﷺ کے ارشاد "لاصلوٰة لمن لم یقرأ فیها بفاتحة الکتاب" (اس شخص کی رکعت (معتبر) نہیں جو اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے) کا عمومی حکم امام کے جہری قرأت کی حالت کو شامل نہیں بلکہ آیت پاک "واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا" کے ذریعہ حدیث کا عموم مخصوص ہے لہٰذا اس آیت کے پیش نظر

حدیث مذکور کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز یعنی رکعت (معتبر) نہیں سوائے اس شخص کے جو جہری نماز میں امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہے وہ (بحکم خداوندی فاتحہ وغیرہ پڑھنے کی بجائے) کان لگائے چپ رہے۔

حافظ ابن عبدالبر ایک دوسری جگہ بھی صاف لفظوں میں لکھتے ہیں

"واجمع العلماء علی ان المرادالله عزوجل من قوله "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا" یعنی فی الصلوٰة. (التمہید،ج:۲۲،ص:۱۷)

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان " اذا قری القرآن الخ" کی مراد (یعنی شان نزول) نماز کے بارے میں ہے۔

۴-امام حسین بن محمد بغوی متوفی ۵۱۶ھ آیت مذکورہ کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد اپنی تحقیق ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

والاول اولیٰ: وهو انها فی القرأة فی الصلوة لان الآیة مکیة والجمعة وجبت بالمدینة واتفقوا علی انه مأموربه بالانصات حالة ما یخطب الامام" (معالم التنزیل علی تفسیر ابن کثیر،ج:۳،ص:۲۲۳)

ان اقوال میں صحیح ترین پہلا قول ہی ہے کہ آیت واذا قری القرآن الخ کا شان نزول صرف نماز ہے اس لیے کہ یہ آیت مکی دور میں نازل ہوئی ہے اور جمعہ عہد مدنی میں فرض ہوا ہے (اس لیے خطبہ اس آیت کا شان نزول نہیں ہو سکتا) ہاں علماء کا اتفاق ہے کہ آیت کے الفاظ کی عمومیت کے تحت خطبہ کی حالت میں بھی حاضرین پر توجہ اور خاموشی لازم ہوگی۔

امام بغویؒ کی اس تحقیق سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ جن بزرگوں نے اس آیت کو خطبہ جمعہ وغیرہ پر محمول کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ آیت اپنے الفاظ کے عموم کے اعتبار سے خطبہ کو بھی شامل ہے ورنہ اس کا شان نزول تو صرف نماز ہے۔

۵-امام موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ "والماموم اذا

سمع قراۃ الامام فلا یقرأ بالحمد ولا غیرها" مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہو تو نہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور سورۃ و آیت "اس مسئلہ کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولنا قول الله" وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ"قال احمد فالناس علی ان هذا فی الصلوٰة،وعن سعید بن المسیب،والحسن،وابراهیم،ومحمدبن کعب،والزهری انها نزلت فی شان الصلوٰة وقال زید بن اسلم،وابو العالیه،کانوا یقرؤن خلف الامام فنزلت"واذاقری القرآن فاستمعواله وانصتوالعلکم ترحمون" وقال احمد فی روایة ابی داؤد اجمع الناس علی ان هذه الآیة فی الصلوٰة، ولانه عام فیتناول بعمومه الصلوة .

(المغنی،ج:۱،ص:۲۲۹-۲۳۰مطبوعہ دارالفکر بیروت۱۴۰۵ھ)

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان" واذا قری القرآن "الخ ہے۔امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ سارے لوگوں کا قول یہی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے (بالخصوص)سعید بن المسیب،حسن بصری،ابراہیم نخعی،محمد بن کعب اور زہری (جیسے اکابر ائمہ حدیث و تفسیر) سے مروی ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول نماز ہے۔امام تفسیر زید بن اسلم اور ابو العالیہ سے بصراحت منقول ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو (اسکی ممانعت کے لیے) یہ آیت نازل ہوئی۔

اور امام ابو داؤد سجستانی،امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں (امام کے پیچھے ترک قرأت کے بارے میں) نازل ہوئی ہے۔

۲۔مشہور مفسر امام ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی ۶۷۱ھ آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قیل: ان هذا نزل فی الصلوٰة ،روی هذا عن ابن مسعود، وابی

هریرة وجابر، والزهری،وعبید الله بن عمیر ،وعطابن رباح،وسعید بن المسیب.........

قیل: انها نزلت فی الخطبة،قاله سعید بن جبیر،ومجاهد،وعطا، وعمر وبن دینار،وزید بن اسلم،والقاسم بن مخیمرة،ومسلم بن یسار،وشهر بن حوشب،وعبدالله بن المبارك،وهذا ضعیف،لان القرآن فیها قلیل والانصات یجب فی جمیعها قاله ابن العربی، والنقاش والآیة مکیة ولم یکن بمکة خطبة ولا جمعة..........

قال النقاس اجمع اهل التفسیران هذا الاستماع فی الصلوٰة المکتوبة وغیرالمکتوبة"

(الجامع لاحکام القرآن ج:۷،ص:۳۵۳مطبوعہ داراحیاء التراث العربی ۱۹۶۵ء)

۱- کہا گیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے یہ قول حضرت عبد اللہ بن مسعود،ابو ہریرہ، جابر رضی اللہ عنہ اور امام زہری، عبید اللہ بن عمیر، عطا اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔

۲- کہا گیا ہے کہ یہ خطبہ میں خاموش رہنے کے بارے میں نازل ہوئی اس بات کے کہنے والوں میں سعید بن جبیر، مجاہد، عطا، عمرو بن دینار، زید بن اسلم، قاسم بن مخیمرہ، مسلم بن یسار، شہر بن حوشب اور عبد اللہ بن المبارک ہیں۔ یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ خطبہ میں تو قرآن کم ہی ہوتا ہے جبکہ خاموش رہنا پورے خطبہ میں واجب ہے (اور آیت میں کہا گیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف متوجہ رہو اور خاموش رہو اس آیت کے اعتبار سے تو خطبہ کے اسی حصہ میں خاموشی ضروری ہونی چاہیے جو آیت قرآنی پر مشتمل ہو خطبہ کے بقیہ حصے کا یہ حکم نہیں ہوگا حالانکہ پورے خطبہ میں اس کی طرف متوجہ رہنا اور خاموش رہنا ضروری ہے،جس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت خطبہ کے سلسلہ میں نہیں نازل ہوئی ہے)اس قول کے ضعیف ہونے کی یہ وجہ امام ابن العربی مالکی نے بیان کی ہے۔

اور قدیم مفسر النقاش نے اس قول کے ضعیف ہونے کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ یہ آیت ہجرت سے قبل مکی دور میں نازل ہوئی ہے اور عہد مکی میں نہ خطبہ تھا اور نہ ہی جمعہ (اس لیے یہ آیت خطبہ کا شان نزول کیوں کر ہو سکتی ہے)

امام نقاش (محمد بن حسن متوفی ۳۵۱ھ) نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ آیت میں جس استماع وانصات کا حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق نماز فرض اور غیر فرض دونوں سے ہے۔

۷- شیخ الاسلام حافظ احمد ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے بھی ابن قدامہ کی طرح امام احمد کے اس مذکورہ قول کو ذکر کیا ہے۔ بحالت جہر امام کے پیچھے قرأت کرنے کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان للعلماء فیه ثلاثة اقوال: قیل: لیس له ان یقرأ حال جهر الامام اذا کان یسمع لا بالفاتحة ولا غیرها، وهذا قول المجهور من السلف والخلف، وهذامذهب مالك واحمدوابی حنیفة وغیرهم واحد قولی الشافعی.

وقیل یجوز الامران، والقرأة افضل ویروی هذا عن الاوزاعی واهل الشام، ولیث بن سعد وهو اختیار طائفة من اصحاب احمد وغیرهم.

وقیل: بل القرأة واجبة وهو القول الآخر للشافعی.

وقول الجمهور هو الصحیح فان سبحانه تعالی قال: "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" قال: احمد اجمع الناس علی انهانزلت فی الصلوٰة.

(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج:۲۲، ص:۲۹۴)

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں (۱) مقتدی جب امام کی جہری قرأت کو سن رہا ہو تو اسے نہ سورۃ فاتحہ کی قرأت کرنی چاہیے اور نہ کسی دوسری سورۃ کی۔ یہی جمہور علمائے سلف

وخلف کا قول ہے اور یہی امام مالک، امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔

۲- اور کہا گیا ہے کہ اس مذکورہ حالت میں مقتدی کو قرأت کرنی اور قرأت نہ کرنی دونوں درست ہے البتہ قرأت کرنی افضل و بہتر ہے۔ امام اوزاعی اور علمائے اہل شام نیز امام لیث بن سعد مصری کا یہی مذہب نقل کیا گیا ہے۔ امام احمد کے مقلدین میں سے ایک جماعت نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

۳- اور کہا گیا ہے کہ اس مذکورہ حالت میں بھی مقتدی پر قرأت واجب ہے۔ یہی امام شافعی کا آخری قول ہے۔

(اس بارے میں) جمہور ہی کی بات صحیح ہے کیوں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے "واذاقرئ القرآن" "الآیة" جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی جانب کان لگائے رہو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں (قرأت قرآن کی جانب متوجہ اور خاموش رہنے کے بارے میں) نازل ہوئی ہے۔

ائمہ تفسیر، اکابر محدثین اور فقہائے محققین کی یہ چند عبارتیں اور اقوال آپ کے پیش نظر ہیں جن میں امام المحدثین احمد بن حنبل، امام قرأت و تفسیر نقاش، امام الفقہاء جصاص رازی، مرجع محققین حافظ ابن عبد البر واضح الفاظ میں بتا رہے ہیں کہ علماء اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول نماز ہے۔ امام موفق ابن قدامہ اور علامہ حافظ ابن تیمیہ نے بھی اس اجماع کے قول کو نقل کر کے اس کی تائید و تصویب کی ہے۔ پھر امام نقاش اور امام بغوی نے علی الترتیب یہ وضاحت کر کے کہ "الآیة مکیة ولم یکن بمکة خطبة ولا جمعة" اور "الآیة مکیة والجمعة وجبت بالمدنیة" یعنی آیت مذکورہ عہد مکی میں نازل ہوئی ہے اور اس عہد میں خطبہ و جمعہ کا وجوب نہیں ہوا تھا (بلکہ حسب تحقیق حافظ ابن جریر طبری جمعہ کی فرضیت ۱ھ میں ہوئی

ہے) یہ بات مزید صاف کردی کہ اس آیت کے شان نزول اور موضوع سے خطبہ کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ اس وقت خطبہ جمعہ وغیرہ کا شرعاً وجود ہی نہیں تھا۔

رہا علماء کے اتفاق اور آیت کے عموم الفاظ سے خطبہ کا ضمنی طور پر اس حکم میں شامل ہونا تو یہ ایک الگ بات ہے شان نزول سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لیے علم وتحقیق کی بنیاد پر یہی ثابت ومحقق ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرأت کی کوئی گنجائش نہیں یہی علمائے سلف وخلف کی تحقیق ہے اور اسی پر ان کا عمل ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

لکن الذین ینھون عن القرأۃ مع الامام ھم جمھور السلف والخلف ومعھم الکتاب والسنۃ الصحیحۃ،والذین اوجبوھا علی الماموم فی حال الجھر ھکذا فحدیثھم قدضعفہ الائمۃ.

ترجمہ:۔ لیکن جو حضرات امام کے ساتھ قرآت سے منع کرتے ہیں وہ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کے ساتھ اللہ کی کتاب اور رسول خدا ﷺ کی صحیح حدیثیں ہیں اور جن لوگوں نے بحالت سکتہ وغیرہ مقتدی پر قرآت واجب کی ہے تو ان کی مستدل روایتوں کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج:۲۳، ص:۳۳۰)

آخر میں ایک اور حوالہ محقق عالم مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۴ھ کے قلم سے ملاحظہ کیجیے جو علم وتحقیق کی میزان میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، لکھتے ہیں۔

ان الآیۃالمذکورۃصریحۃفی الامربالاستماع عندقرأۃ القرآن، والخطبۃ وان کانت مشتملۃعلیھا لا یطلق علیھا قرأۃ القرآن فحملھا علی سماع الخطبۃ یابی عنہ ایضا ظاھر القرآن،فاذن ظھر حق الظھور ان ارجح تفاسیرالآیۃ وموارد نزولھا ھو القول الثانی وھو انھا نزلت فی القرأۃ خلف الامام..........

وھذا القول ترجیحہ بوجوہ احدھا: انہ لا تعارضہ الآثار

والاخبار ولیست فیہ خدشۃ ومناقضۃ عند اولی الابصار،وثانیھا: انہ منقول عن الائمۃ الثقات من غیرمعارضات،وثالثھا:انھا قول جمھور الصحابۃ حتی ادعی بعضھم الاجماع علی ذلک کما اخرجہ البیھقی عن احمدانہ قال اجمع الناس علی ان ھذہ الآیۃ نزلت فی الصلوۃ وقال ابن عبدالبرفی الاستذکار،ھذاعند اھل العلم عند سماع القرآن فی الصلوۃ لا یختلفون ان ھذا الخطاب نزل فی ھذا المعنی دون غیرہ .(امام الکلام، ص:۱۰۱)

آیت مذکورہ قرأۃ قرآن کے وقت استماع کے حکم وامر میں صریح ہے۔ رہا خطبہ تو اگرچہ اس میں بھی آیات قرآنیہ ہوتی ہیں لیکن خطبہ کو قرآن پڑھنا نہیں بولا جاتا لہٰذا خود قرآن کا ظاہر اس بات کو رد کررہا ہے کہ اس آیت کو خطبہ کے سننے پر محمول کیا جائے۔ تو اب یہ بات محقق طور پر روشن ہوگئی کہ آیت کی راجح ترین تفسیر اور موقع نزول یہی قول ثانی ہے کہ یہ آیت قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس قول کے راجح ہونے کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱- یہ قول دیگر آثار واخبار کے معارض نہیں ہے نیز اس میں کسی قسم کا کوئی خدشہ اور باہمی مخالفت بھی نہیں ہے۔

۲- یہ قول بغیر کسی تعارض کے ائمہ ثقات سے مروی ہے۔

۳- یہی جمہور صحابہ کا قول ہے حتی کہ امام بیہقی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور امام عبدالبر نے الاستذکار (ج:۲، ص:۴۳۰، طبع ۱۴۱۳ھ) میں لکھا ہے کہ اہل علم کے نزدیک یہ آیت نماز میں سماع قرآن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اگلے صفحات میں یہ بات گذر چکی ہے کہ اجماع کا یہ قول امام احمد بن حنبل

کے علاوہ امام قرأت وتفسیر محمد بن الحسن النقاش، امام جصاص رازی، حافظ ابن عبدالبر وغیرہ ائمہ تفسیر وحدیث اور فقہ سے بھی منقول ہے۔ اس لیے اس کے راجح بلکہ متعین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟

رہا یہ مسئلہ کی بعض اکابر نے استماع وانصات کے حکم کو جہری نمازوں کے ساتھ خاص کیا ہے تو اس کی بنیاد یہ ہے کہ ان بزرگوں کا خیال یہ ہے کہ بغیر جہر کے استماع بے معنی ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک استماع وہیں ہوگا جہاں آواز بلند ہو اور سنائی دے بغیر اسکے استماع کا عمل بے فائدہ اور رائگاں ہے۔

جبکہ دوسرے اکابر یہ کہتے ہیں کہ کلام الٰہی کی عظمت اور ادب واحترام کا تقاضا یہی ہے کہ تلاوت کے وقت آدمی ہمہ تن گوش بن جائے اور بالکل چپ وخاموش رہے۔ چنانچہ ابتدائے وحی کے زمانے میں جب جبریل امین کلام الٰہی لے کرآتے اور آپ کے حضور اس کی تلاوت کرتے تو آنحضرت ﷺ بھی ان کی تلاوت کے ساتھ چپکے چپکے پڑھتے جاتے تھے تو حکم خداوندی ہوا۔

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ. (قیمہ، پ:۲۹)

ترجمہ: نہ حرکت دیجئے قرآن کے پڑھنے میں اپنی زبان کو تاکہ آپ اسے جلد سے سیکھ لیں۔ اس کا (آپ کے دل میں) جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے پس جب ہم (بواسطہ فرشتہ) قرآن کو پڑھیں تو آپ ان کے پڑھنے کی اتباع کریں۔

اس آیت پاک سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ رب العزت نے اپنے کلام کی تعظیم اور اتباع کا یہی طریقہ بتایا ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت آدمی ہمہ تن گوش اور بالکل خاموش رہے۔ خواہ تلاوت کی آواز کانوں تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ چنانچہ امام شوکانی "باب ماجاء فی قراۃ الماموم وانصاته اذاسمع امامه" کی احادیث پر بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں "لان قوله ﷺ

"فلاتقرؤا بشی من القرآن اذا جهرت" يدل على النهی عن القرأة عند مجرد وقوع الجهر من الامام وليس فيه ولافی غيره مايشعر باعتبار السماع" (نیل الاوطار، ج:۲، ص:۲۴۷) آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ جب میں جہر سے قرأت کروں تو تم لوگ مطلق قرآن نہ پڑھو" اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کرے تو اس حالت میں مقتدی کو قرأت کرنا منع ہے۔ یہ حدیث اور اس کے علاوہ کوئی اور حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ مقتدی کو قرأت سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ قرأت سن رہا ہے۔

امام شوکانی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ ترک قرأۃ خلف الامام یا بالفاظ دیگر استماع وانصات کی علت امام کی قرأت کا سننا نہیں بلکہ جہر بالقرأۃ (امام کا بلند آواز سے قرأت کرنا) ہے لہٰذا اس حالت میں مقتدی پر استماع وانصات ضروری ہوگا خواہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔

جمہور کہتے ہیں کہ قرآت سے ممانعت کی علت جہر نہیں بلکہ خود قرأت امام ہے آیت مذکورہ کا اطلاق اسی کا مؤید ہے امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں۔

قد بينا دلالة الآية على وجوب الانصات عند قرأة الامام فی حال الجهر والاخفاء وقال اهل اللغة: الانصات، الامساك عن الكلام والسكوت لاستماع القرأة ولايكون القاری منصتاولاساكتا بحال، وذلك لان السكوت ضد الكلام الخ.

(احکام القرآن، ج:۳، ص:۲۱۷)

ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ آیت مقتدی کے سکوت کے وجوب پر دلالت کررہی ہے جب کہ امام قرأت کررہا ہو جہر سے یا آہستہ۔ علماء لغت کہتے ہیں کہ انصات کے معنی کلام سے رک جانا اور قرأت کی جانب متوجہ ہونے کے لیے خاموش رہنا ہے اور قرأت کرنے والا بہرصورت منصت وساکت نہیں ہوسکتا کیوں کہ سکوت کلام کی ضد ہے (اور دو ضد ساتھ اکٹھا

نہیں ہوتیں) احادیث صحیحہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے یہ احادیث آگے آرہی ہیں نیز اہل لغت کی تصریحات سے بھی یہی ثابت ہے کہ استماع کے لیے سماع ضروری نہیں ہے اس سلسلے میں کتب لغت کی مراجعت کی جائے بغرض اختصار صرف انہیں اشارات پر یہ بحث ختم کی جارہی ہے۔

بعض حضرات نے اس مسئلہ کو یوں حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی متوجہ اور خاموش رہے تاکہ نص قرآنی پرعمل ہو جائے اور امام کے ساتھ منازعت بھی نہ ہو جس کی ممانعت صحیح احادیث سے ثابت ہے البتہ امام جب قرأت سے توقف اور سکتہ کرے تو اس وقت مقتدی قرأت کرلیں تاکہ لاصلوٰۃ لمن لم یقراء الخ پر بھی عمل ہو جائے۔ لیکن ان بزرگوں کی یہ سعی اگرچہ بظاہر کتاب اللہ "واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا" اور سنتِ رسول اللہ ﷺ "لاصلاة لمن لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب" کے درمیان تطبیق اور دونوں پرعمل کی بہترین صورت ہے۔ لیکن کیا کیجئے کہ روایت ودرایت دونوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اس لیے کہ صحیح احادیث سے آنحضرت ﷺ کا جو عمل منقول ہے وہ صرف دو سکتوں کا ہے۔ایک تکبیر تحریمہ کے بعد جس میں آپ دعائے استفتاح پڑھتے تھے جیسا کہ صحیحین میں مروی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ظاہر ہے اور دوسرا نہایت مختصر وقفہ قرأت ختم ہو جانے کے بعد ہوتا تھا جس کی وجہ امام ابو داؤد یہ بیان کرتے ہیں "لئلا يتصل التكبير بالقرأة" یہ وقفہ اس لیے ہوتا تھا کہ قرأۃ قرآن سے تکبیر مل نہ جائے، ظاہر ہے اتنے قلیل وقفہ میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کیسے کی جاسکتی ہے ان دو سکتوں کے علاوہ تیسرے سکتہ کے ثبوت کا حافظ ابن تیمیہ انکار کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ حدیث پاک اور جمہور کے اقوال سے تیسرے سکتہ کا ثبوت محقق نہیں چنانچہ نماز میں دوران قیام سکتہ کے مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وايضاً فللناس فى الصلوة اقوال:

احدها: انه لاسكوت فيها كقول مالك، ولا يستحب عنده استفتاح ولا استعاذة ولاسكوت لقراة الماموم،

والثانى: انه ليس فيها الاسكوت واحدللاستفتاح: كقول ابى حنيفة،لان هذا الحديث يدل على هذه السكتة .

والثالث: ان فيها سكتتين كما فى حديث السنن لكن روى فيه انه يسكت اذا فرغ من القرأة وهو الصحيح،وروى اذا فرغ من الفاتحة، فقال طائفة من اصحاب الشافعى واحمد يستحب ثلاث سكتات، وسكتة الفاتحة جعلها اصحاب الشافعى وطائفة من اصحاب احمدليقرأ المأموم الفاتحة،والصحيح انه لا يستحب الاسكتتان فليس فى الحديث الاذلك واحدى الروايتين غلط والاكانت ثلاثا وهذا هو المنصوص عن احمدوانه لايستحب الاسكتتان،والثانية عندالفراغ من القرأة للاستراحة والفصل بينها وبين الركوع.

واما السكوت عقيب الفاتحة فلا يستحب احمد كمالا يستحب مالك، وابوحنيفة،والجمهور لا يستحبون ان يسكت الامام ليقرأ الماموم وذالك ان قرأة المأموم عندهم اذا جهر الامام ليست بواجبة ولا مستحبة بل هى منهى عنها وهل تبطل الصلوة اذا قرأ مع الامام؟ فيه وجهان فى مذهب احمد ،فهواذا كان يسمع قرأة الامام فاستماعه افضل من قراته كاستماعه لما زاد على الفاتحة، فيحصل له مقصود القرأة، والاستماع بدل عن قراته فجمعه بن الاستماع والقرأة جمع بين البذل والمبدل"

(مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ ،ج:۲۲،ص:۳۳۸-۳۳۹)

دوران قیام نماز میں سکوت کے بارے میں لوگوں کے چند اقوال ہیں۔

۱- نماز میں کوئی سکتہ نہیں۔ جیسا کہ امام مالک کا قول ہے کہ ان کے یہاں (تکبیر تحریمہ کے بعد) دعائے استفتاح اور اعوذ باللہ پڑھنا بہتر نہیں اور نہ ہی مقتدیوں کی قرأت کے لیے توقف کرنا ان کے یہاں افضل ہے۔

۲- نماز میں صرف ایک سکتہ دعائے استفتاح (ثنا) کے لیے ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے اس لیے کہ حدیث ابو ہریرہ سے یہ ثابت ہے۔

۳- نماز میں دو سکوت ہیں جیسا کہ سنن کی حدیث میں ہے لیکن اس میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ قرأت سے فارغ ہونے پر سکوت فرماتے تھے، اور یہی صحیح ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ سورۂ فاتحہ سے فراغت پر سکتہ کرتے تھے۔ اس روایت کے پیش نظر امام شافعی اور امام احمد کے مقلدین کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ تین سکتے مستحب ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے بعد والے سکتہ کو امام شافعی کی پیروی کرنے والے اور امام احمد کے پیروکاروں میں سے ایک طبقہ نے مقتدی کی قرأت کے لیے مقرر کیا ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ صرف دو ہی سکتے مستحب ہیں اور حدیث میں بس ان ہی دو کا ذکر ہے اور دونوں روایتوں (یعنی ایک جس میں فاتحہ کے بعد سکتہ کا ذکر ہے اور دوسری جس میں قرأت سے فارغ ہو جانے پر سکتہ مذکور ہے) میں سے ایک غلط ہے ورنہ تین سکتے ہو جائیں گے اسی کی صراحت امام احمد نے بھی کی ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں (ایک تحریمہ کے بعد) اور دوسرا قرأت سے فارغ ہو کر دم لینے اور قرأت و تکبیر کے درمیان فصل کرنے کے لیے۔ اور قرأت فاتحہ کے بعد سکتہ تو یہ امام احمد اور اسی طرح امام مالک و امام ابو حنیفہ کے نزدیک بہتر نہیں ہے۔ اور جمہور اس کو پسند نہیں کرتے کہ مقتدی کی قرأت کے لیے امام سکوت کرے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک امام کی جہری قرأت کے وقت مقتدی کے لیے قرأت نہ ضروری ہے اور نہ بہتر بلکہ ممنوع ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ

امام کی جہری قرأت کی حالت میں مقتدی کے قرأت کرنے سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی تو امام احمد کے یہاں اس بارے میں دو قول ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ امام کی قرأت سننے کی حالت میں مقتدی کا امام کی قرأت کی جانب متوجہ رہنا خود قرأت سے افضل و بہتر ہے جس طرح فاتحہ کے بعد بقیہ قرأت کا سننا سب کے نزدیک افضل ہے اور اس استماع سے قرأت کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ تو یہ استماع قرأت کا بدل ٹھہرا، لہٰذا استماع اور قرأت دونوں کو عملاً جمع کرنے سے بدل و مبدل کا اکٹھا کرنا لازم آئے گا (جو صحیح نہیں ہے)

علامہ ابن تیمیہ ایک دوسرے موقع پر اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

ومعلوم ان النبی ﷺ لوکان یسکت سکتة تتسع لقرأة الفاتحة لکان هذا مما تتوفر الهمم والدواعی علی نقله فلما لم ینقل احد علم انه لم یکن.

والسکتة الثانیة فی حدیث سمرة قد نفاها عمران بن حصین وذلك انها سکتة یسیرة قد لا ینضبط مثلها وقد روی انها بعد الفاتحة ومعلوم انه لم یسکت الا سکتتین فعلم ان احدها طویلة والاخری بکل حال لم تکن طویلة متسعة لقرأة الفاتحة،

وایضافلو کان الصحابة کلهم یقرأون الفاتحة خلفه اما فی السکتة الاولی واما فی سکتة الثانیة لکان هذا مما تتوفر الهمم والدواعی علی نقله فکیف ولم ینقل هذا احد من الصحابة انهم کانوا فی السکتة الثانیة خلفه یقرأون الفاتحة مع ان ذلك لو کان مشروعًا لکان الصحابة احق الناس بعلمه وعمله فعلم انه بدعة.

(مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ، ج: ۲۳، ص: ۲۷۸-۲۷۹)

یہ بات معلوم ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کا معمول اس قدر طویل سکوت کا ہوتا

جس میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش ہوتی تو آپ کا یہ عمل ان امور میں سے ہوتا جس کے نقل وبیان کے عزائم واسباب کثیر ہوتے ہیں۔اس کے باوجود جب کوئی آپ کے اس عمل کو بیان نہیں کرتا تو معلوم ہوگیا کہ اس دراز سکوت کا وجود ہی نہیں۔

اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور دوسرے سکوت کا حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے انکار کیا جس کی (بظاہر) یہی وجہ ہے کہ یہ وقفہ وسکوت اس قدر مختصر تھا کہ ایسے مختصر وقفوں کو بسا اوقات ضبط وشمار میں لایا ہی نہیں جاتا۔

یہ بھی مروی ہے کہ یہ سکوت سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد ہوتا تھا۔اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ صرف دو سکوت کرتے تھے اس روایت سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ ان دو سکتوں میں سے ایک قدرے دراز اور دوسرا بہر حال مختصر ہوتا تھا جس میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر حضرات صحابہ آپ کے پیچھے پہلے یا دوسرے سکتہ میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے تو ان کا یہ عمل ان امور میں سے ہوتا جس کے نقل وبیان کے عزائم واسباب کثیر ہیں۔اس کے ہوتے ہوئے آخر کیا بات ہے کہ کوئی کسی صحابی کا یہ عمل ذکر نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں اگر ان سکتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا شریعت کی جانب سے ہوتا تو اس حکم شرعی کے جاننے اور اس پر عمل کرنے کے اوروں کے مقابلے میں حضرات صحابہ زیادہ حقدار تھے (مگر ان سے یہ منقول نہیں) تو معلوم ہوا کہ یہ عمل بعد کا نو پید ہے۔

علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کی بیان کردہ ان تفصیلات کا حاصل یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دورانِ قیام صرف دو سکتوں کا ثبوت ہے اور یہ دونوں سکتے اس قدر مختصر ہوتے تھے کہ اس میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی بالکل گنجائش نہیں نیز حضرات صحابہ سے بھی منقول نہیں ہے کہ وہ آپ کے پیچھے سکتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اس لیے سکتوں کے دوران سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اس تجویز کا روایت ساتھ نہیں دے رہی ہے۔

اس موقع پر ہم نے بطور خاص علامہ ابن تیمیہ ہی کی تحقیق پیش کی ہے تاکہ ہمارے ان دوستوں اور کرم فرماؤں کو بھی اطمینان ہو جائے جو اپنے آپ کو سلفی کہلانے کے باوجود سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے مقابلے میں علامہ ابن تیمیہ کی رائے و تحقیق کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں ورنہ اس مسئلہ پر دیگر اکابر محدثین، وفقہائے مجتہدین کی تحقیقات بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔جن کی طرف خود ابن تیمیہؒ نے اشارہ بھی کیا ہے۔

ان احباب کے مزید اطمینان کے واسطے خود ان کے ہی گھر کی ایک تحقیق اور پیش کی جارہی ہے۔علامہ یمن، محدث کامل محمد بن اسمٰعیل امیر یمانی متوفی ۱۱۸۲ھ تحریر کرتے ہیں۔

ثم اختلف القائلون بوجوب القرأة فقيل: فى محل سكتات الامام،وقيل: فى سكوته بعدتمام القرأة،ولادليل لهذين القولين فى الحديث" (سبل السلام شرح بلوغ المرام،ج:۱ ص:۱۰۶)

پھر امام کے پیچھے قرأت کو واجب کہنے والے باہم مختلف ہوگئے، بعض یہ کہتے ہیں کہ امام کے سکتوں میں (قرأت کرنی چاہیے) اور بعض اس کے قائل ہیں کہ جب امام قرأت سے فارغ ہو جائے (تو اس وقت مقتدی قرأت کرلے) لیکن ان دونوں باتوں کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔

آخر میں علامۃ العلماء امام جلیل فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ کی درج ذیل عبارت پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ از روئے درایت اس تجویز پر عمل کہاں تک ممکن ہے۔

ولقائل ان يقول: سكوت الامام ان نقول: انه من الواجبات، اوليس من الواجبات،والاول باطل بالاجماع، والثانى يقتضى ان يجوز له ان لايسكت،فبتقديران لايسكت يلزم ان تحصل قرأة المأموم مع قرأة الامام، وذلك يفضى الى ترك الاستماع والى ترك السكوت عند قرأة الامام وذلك على خلاف النص.

وایضا فهذا السکوت لیس له حد محدود ومقدار مخصوص والسکتة للماومین مختلفة بالثقل والخفة فربما لا یتمکن المأموم من اتمام قرأة الفاتحة فی مقدار سکوت الامام،وحینئذیلزم المحذور المذکور،وایضافالامام انما یبقی ساکتا لیتمکن المأموم من اتمام القرأة وحینئذ ینقلب الامام ما مومًا والماوم اما مالان الامام فی هذه السکوت یصیر کالتابع للمأموم وذلك غیر جائز.

(التفسیر الکبیر،ج:۱۵،ص:۱۰۳،المطبعة مکتب الاعلام الاسلامی ۱۴۱۳ھ)

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ امام کا سکوت یا تو واجبات سے ہے یا غیر واجبات سے پہلی صورت (یعنی واجب ہونے کی) بالاجماع باطل ہے اور دوسری صورت (یعنی واجب نہ ہونے کی) کا مقتضایہ ہے کہ (سکوت کرے اور) سکوت نہ بھی کرے۔اور امام کے سکوت نہ کرنے کی صورت میں لازم ہے کہ مقتدی کی قرأت امام کی قرأت کے ساتھ ساتھ ہوگی جس سے استماع اور انصات (یعنی متوجہ رہنے اور خاموش رہنے) کا ترک ہوگا اور یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔

نیز سکوت کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مخصوص مقدار ہے۔اور مقتدیوں کے واسطے یہ سکتہ دراز اور خفیف ہونے میں مختلف ہوگا تو بسا اوقات مقتدی امام کے اس سکتہ کی مقدار میں قرأت فاتحہ پوری نہ کر سکے گا۔ایسی صورت میں وہی ممنوع صورت (یعنی امام کی قرأت کے وقت متوجہ ہونے اور چپ رہنے کا ترک) پیش آئے گی۔

نیز یا تو یہ صورت اختیار کی جائے کہ امام خاموش کھڑا رہے تاکہ مقتدی اپنی قرأت پوری کرلیں اس وقت امام، مقتدی اور مقتدی امام ہو جائے گا اسلئے کہ امام اس سکوت میں گویا کہ مقتدیوں کا تابع ہو گیا ہے۔اور یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: انما جعل الامام لیؤتم به فاذا قرأ فانصتوا" یعنی امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء و پیروی کی

جائے لہٰذا جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو،اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کی مقتدی امام کی اقتدا و اتباع کریں گے نہ کی خود امام مقتدی کی پیروی کرے گا دوسری یہ کہ امام کی اقتداء میں یہ بات شامل ہےکہ جب وہ قرأت کرے تو مقتدی اس کی قرأت کے لیے خاموشی اختیار کریں۔جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ امام مقتدی کی قرأت کے لیے سکوت کرے کیوں کہ اگر وہ اس سکوت کا مامور ہوتا تو لازمی طور پر اس بات کا بھی مامور ہوتا کہ وہ مقدیوں کی اقتداء کرے۔ تو اس صورت میں وہ ایک ہی حالت میں امام اور مقتدی دونوں ہو جائے گا۔اور شخص واحد کا ایک ہی حالت میں امام اور مقتدی دونوں ہوتا نہ عقلاً درست ہے اور نہ شرعاً صحیح ہے۔

ان تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ سکتات میں قرأت کی تجویز روایت و درایت دونوں لحاظ سے قابل عمل نہیں اس لیے انسب و احوط راہ یہی ہے کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی حکم خداوندی "واذا قری القرآن فاستمعوا وانصتوا" پر عمل کرتے ہوئے ہمہ تن گوش اور خاموش رہیں۔

کتاب اللہ کے بعد آئندہ سطور میں احادیث رسول اللہ ﷺ پیش کی جارہی ہیں جو دراصل اسی آیت کی تفسیر و تفصیل ہیں۔

احادیث رسول (ﷺ)

١ – عن ابی موسی الاشعری قال ان رسول الله ﷺ خطبنا فبیّن لنا سنتنا وعلمنا صلواتنا، فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤم احدکم، فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال "غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" فقولوا آمین" الحدیث. (١)

(رواہ مسلم فی صحیحہ، ج:١، ص:١٧٤)

(١) یہ حدیث صحیح مسلم کے علاوہ سنن ابی داؤد، مسند امام احمد صحیح ابن عوانہ، سنن ابن ماجہ، مسند بزار وغیرہ حدیث کی معتبر و مستند کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔امام مسلم،امام احمد بن حنبل، حافظ ابن عبدالبر، علامہ ابن حزم،امام منذری، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، امام موفق الدین ابن قدامہ وغیرہ اکابر ائمہ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

امام دار قطنی اور بیہقی وغیرہ نے راوی حدیث سلیمان تیمی کے تفرد کی جو بات کہی ہے وہ ان بزرگوں کا تسامح ہے، حافظ مغلطائی لکھتے ہیں۔

هذا حدیث خرّجه مسلم فی صحیحه من حدیث جریر وقال فی آخره قال ابو اسحاق ابراهیم بن محمد بن سفیان، قال ابوبکر ابن اخت ابی النضر فی هذا الحدیث ای طعن فیه فقال مسلم اترید احفظ من سلیمان.

واشار ابو طالب فی سوالاته...... الی انه قال بها وقال ابو الحسن الدارقطنی هذه اللفظة لم یتابع فیها عن قتادة وخالفه الحفاظ فلم یذکروها قال واجماعهم علی مخالفته یدل علی وهمه" ولعله شبه علیه لکثرة من خالفه من الثقات، وقال فی موضع آخر رواه سالم بن نوح العطار عن عمر بن عامر وابن ابی عروبة عن قتادة بهذه الزیادة، ومن هذه الطریق رواه البزار عن محمد بن یحی القطعی من سالم وهو سند صحیح علی شرط مسلم، وقال الاثرم فی سوال احمد قال یا اثرم وقد زعموا ان المعتمر رواه قلت نعم قد رواه المعتمر قال فای شئ ترید انتهی.

حدیث المعتمر رواه ابوعوانة الاسفرائنی فی صحیحه عن سلیمان بن الاشعث السجزی ثنا عاصم بن النضر ثنا المعتمر ثنا قتادة بهذه الزیادة، قال وثنا الصائغ بمکة ثنا علی بن عبدالله ثنا جریر عن سلیمان فذکره، وثنا سهل بن محمد الجد سابوری (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا جس میں ہمارے لیے زندگی گزارنے کے طریقہ کو بیان فرمایا اور ہمیں

(بقیہ: گذشتہ صفحہ کا) ثنا عبدالله بن رشید ثنا ابو عبید عن قتادة فذکره فهذا کما تری قد سلم الحدیث من التفرد الذی اشار الیه هؤلاء الحفاظ ..... وقد وجدنا متابعاً آخر ذکره ابو مسعود الدمشقی فی جوابه للدارقطنی وهو الثوری قال رواه عن سلیمان کما رواه جریر (الاعلام بسنة علیه السلام مخطوطه: ج: ٤، ص: ٨٢)

رہا مولانا حافظ عبدالرحمٰن مبارکپوری کا یہ نقد کہ اس حدیث کے راوی سلیمان تیمی مدلس ہیں اور مدلس کی معنعن روایت لائق استدلال نہیں ہوتی، حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوگا کیوں کہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ مدلس راوی جب حدثنا وغیرہ سماع کے الفاظ سے حدیث روایت کرے تو تدلیس کا لزام ختم ہو جاتا ہے (شرح نخبۃ ص:٥٣) اور صحیح ابی عوانہ و سنن ابی داؤد کی روایت میں سمعت کی صراحت موجود ہے۔

علاوہ ازیں مولانا مبارکپوری لکھتے ہیں "تدلیس کا طعن متابعت سے اٹھ جاتا ہے (تحقیق الکلام، ج:١، ص:٦٢) اور حافظ مغلطائی کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہو چکا ہے کہ سلیمان تیمی کے عمر بن عامر، ابن ابی عروبہ، معتمر، ابو عبید چار متابع موجود ہیں ونیز جریر کے بھی ایک متابع سفیان ثوری بھی ہیں۔

اسی طرح امام بخاری، امام ابو داؤد، امام دار قطنی اور بیہقی نے اس حدیث پر جو اشکال کیا ہے کہ "فاذا قرأ فانصتوا" کی زیادتی محفوظ نہیں ہے اصول محدثین کے اعتبار سے یہ اشکال بھی بے اثر ہے کیوں کہ سلیمان تیمی بلا اختلاف ثقہ، ثبت، متقن اور حافظ ہیں اور ثقہ کی زیادتی سب کے نزدیک مقبول ہے چنانچہ امام حاکم لکھتے ہیں "فقہائے اسلام کا اس پر کلی اتفاق ہے کہ متون و اسانید میں ثقات کی زیادتی مقبول ہوگی (مستدرک، ج:١، ص:٣) اسی اصول کے تحت خود امام دار قطنی نے باب تشہد میں "وحده لا شریك له" کی زیادت کو جس میں یہی سلیمان تیمی منفرد ہیں صحیح تسلیم کیا ہے دیکھئے سنن دار قطنی، ج:١، ص:٣٣٤ نیز اسی بنا پر علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں "وماعلله البخاری فلیس بقادح فی صحته" (تنوع العبادات، ص:٨٦)

علاوہ ازیں مولانا مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ "ثقہ کی زیادت اس وقت شاذ اور نا قابل قبول ہوتی ہے جب اصل روایت کے منافی ہو اگر اصل و ماقبل کے مخالف نہ ہو تو جمہور محققین کے نزدیک وہ زیادت قابل قبول ہوگی" ابکار المنن، ص:٧٣)

اور اہل نظر پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ "واذا قرأ فانصتوا" کا جملہ حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے کسی بھی فقرہ کے مخالف نہیں ہے کیوں کہ یہ جملہ حدیث کے الفاظ سابقہ میں سے نہ تو کسی لفظ کو رد کرتا ہے نہ کسی کو مقید اور نہ ہی کسی کے لیے مغیر ہے بلکہ یہ جملہ تمام طریق حدیث جو اس زیادت سے خالی ہیں کا مؤید ہے اس لیے کہ امور اہتمام و اقتداء میں "اذا کبر فکبروا" فرما کر "واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین" فرمانا اور "واذا قرء فانصتوا" "واذا امن فامنوا" نہ فرمانا صاف بتا رہا ہے کہ مقتدی کا کام تکبیر تحریمہ کے بعد آمین کہنا ہی ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نماز سکھائی اور فرمایا کہ جب نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرو پھر تم میں سے ایک امام بنے اور امام جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ "غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو۔

تشریح: یہ صحیح حدیث واضح الفاظ میں بتا رہی ہے کہ امام کی ذمہ داری و فریضہ قرأت کرنا ہے اور مقتدیوں کا وظیفہ بوقت قرأت خاموش رہنا ہے۔ چونکہ اس حدیث میں جہری و سری نماز کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے یہ حکم سب نمازوں کو شامل ہوگا۔

۲ – عن حطان بن عبدالله ان اباموسیٰ قال خطبنا رسول الله ﷺ فعلمنا سنتناوبین لنا صلوتنا فقال اذا کبرالامام فکبروا فاذا قرأ فانصتوا. (صحیح ابی عوانه، ج:۲، ص:۱۳۳)

ترجمہ: حطان بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا جس میں ہمیں سنت کی تعلیم دی اور ہم سے نماز کا طریقہ بیان فرمایا کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(بقیہ:- گذشتہ صفحہ کا)

ورنہ کلام کی ترتیب و سیاق کا تقاضا یہی تھا کہ تکبیر کے بعد مقتدی کی قرأت کا ذکر کیا جاتا۔

حافظ ابن تیمیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں "وهي زيادة من الثقة لا تخالف المزيد بل توافق معناه ولهذا رواها مسلم في صحيحه فان الانصات الى قراءة القارى من تمام الائتمام به فان من قرأ على قوم لا يستمعون لقرائته لم يكونوا مؤتمين به" (مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج:۲۳، ص:۲۷۲)

پھر آنحضرت ﷺ کا مقتدی کے وظائف میں وجوب تکبیر، افتتاح صلوۃ، تشہد وغیرہ کا ذکر اور قرأت فاتحہ کا ذکر نہ کرنا موقع بیان میں سکوت ہے اور اصول کے لحاظ سے موقع بیان میں سکوت عدم وجوب کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ الحاصل سلیمان تیمی کی روایت بلا غبار صحیح ہے اور اس روایت کے بیان میں ان پر خطا کا الزام عائد کرنا بقول امام احمد بن حنبل ان پر بہتان باندھنا ہے دیکھئے (الجوہر النقی، ج:۲، ص:۱۵۵ و الاعلام بسنتہ خیر الانام للمغلطائی قلمی، ج:۴ ص:۷۵ و ۸۲)

۳–عن ابی موسی اشعری قال: قال رسول الله ﷺ اذا قرأ الامام فانصتوا و اذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولو آمين". (صحیح ابی عوانہ، ج:۲، ص:۱۳۳)

ترجمہ: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

٤–عن ابی موسی اشعری قال قال رسول الله ﷺ اذا قرأ الامام فانصتوا فاذا كان عند القعدة فليكن اول ذكر احدكم التشهد" (سنن ابن ماجہ ۶۱) واثبت تصحيحه الحافظ مغلطائی عن جماعة من الحفاظ، الاعلام قلمی، ج:٤، ص:٨١)

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب قعدہ میں ہو تو تم میں سے ہر ایک کا اولین ذکر تشہد ہونا چاہیے۔

٥–عن ابی موسی اشعری قال علمنا رسول الله ﷺ قال اذا قمتم الى الصلوة فليؤمكم احدكم واذا قرأ الامام فانصتوا (مسند امام احمد، ج:۴، ص:۴۱۵) ورجال اسناده ثقات.

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (نماز کی) تعلیم دی کہ جب تم نماز کے ارادے سے کھڑے ہو تو تم میں سے ایک تمہارا امام بنے اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

٦–عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد(۱) (نسائی، ج:۱، ص:۱۰۷)

---

(۱) سنن نسائی کے علاوہ یہ روایت سنن ابی داؤد و مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے۔ امام مسلم، امام احمد بن حنبل، امام نسائی، امام ابن خزیمہ، امام ابن جریر طبری، حافظ ابن تیمیہ، (بقیہ: اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: ابوہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنالک الحمد کہو۔

۷– وعن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ :انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا". (نسائی، ج:۱، ص:۱۰۷)

(بقیہ :- گذشتہ صفحہ کا) حافظ منذری، حافظ ابن کثیر، علامہ ابن حزم حافظ ابن عبدالبر وغیرہ اکابر حفاظ حدیث نے اس کی تصحیح کی ہے۔ نیز جماعت اہل حدیث کے رئیس اعظم نواب صدیق حسن خاں اور محدث کبیر مولانا شمس الحق ڈیانوی نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے دیکھئے "دلیل الطالب، ص:۲۹۴ وعون المعبود، ج:۱، ص:۲۳۵"

امام ابو داؤد اور امام بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کے جملہ "واذا قرأ فانصتوا" پر جو کلام کیا ہے اس کو از روئے اصول محدثین رد کرتے ہوئے امام منذری لکھتے ہیں "وفيما قاله نظر فان ابا خالد هذا هو سليمان بن حيان الاحمر وهو من الثقات الذين احتج البخاری ومسلم بحديثهم فی صحيحهما ومع هذا فلم ينفرد بهذه الزيادة بل تابعه عليها ابو سعيد بن سعد الانصاری الاشهلی المدنی نزيل بغداد وقد سمع من ابن عجلان وهو ثقة وثقه يحی بن معين، ومحمد بن عبدالله المخزومی، وابوعبدالرحمن النسائی وقد خرج هذه الزيادة النسائی فی سننه من حديث ابی خالد الاحمر ومن حديث محمدبن سعد (عون المعبود، ج:۱، ص:۲۳۵)

رہا حافظ عبدالرحمٰن مبارکپوری کا یہ نقد کہ محمد بن عجلان میں کچھ کلام ومقال ہے نیز وہ مدلس بھی ہیں اس لیے یہ روایت صحیح نہیں "ایک صحیح حدیث کو ضعیف ٹھہرانے کی بیجا کوشش ہے کیوں کہ محمد بن عجلان میں جو کچھ مقال ہے وہ ان کی بطریق سعید مقبری عن ابی ہریرہ کی بعض روایات میں ہے دیکھئے تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۳۴۱)

پھر امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کا معقول جواب بھی دیدیا ہے بایں ہمہ امام نسائی کی یہ سند سعید مقبری سے نہیں بلکہ زید بن اسلم کے طریق سے ہے رہا تدلیس کا الزام تو مولانا مبارکپوری بھی جانتے ہیں کہ وہ ان مدلیس میں سے ہیں جن کی تدلیس سے محدثین اور خود امام بخاری ومسلم نے تسامح برتا ہے پھر محمد بن عجلان کے دو متابع خارجہ بن مصعب اور یحییٰ بن علاء موجود ہیں دیکھئے سنن کبریٰ، ج:۲، ص:۱۵۷ اور ان دونوں کا لائق متابعت ہونا خود مبارکپوری کو بھی تسلیم ہے دیکھئے ابکار المنن، ص:۱۳۱ و ص:۱۷۹۔

ترجمہ: ابوہریرہ ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

۸– وعن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذاقرأن فانصتوا واذا قال "غير المغضوب عليهم ولاالضالين فقولوا آمين" الحديث (ابن ماجہ، ص:۶۱)

ترجمہ: ابوہریرہ ﷛ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو اور جب وہ "**غير المغضوب عليهم ولا الضالين**" کہے تو تم آمین کہو۔

۹– وعن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: انما الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قراء فانصتوا واذاقال" والضالين فقولوا آمين" الحديث (مسند امام احمد، ج:۲، ص:۳۷۶ وقال المحقق احمدشاكر اسناده صحيح مسند احمد، ج:۷، ص:۵۲ مع تحقيق المحقق المذكور)

ترجمہ: ابوہریرہ ﷛ سے مروی ہے کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اسی لیے (مقرر) ہوتا ہے کہ اسکی اقتداء کی جائے تو جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو اور جب وہ "**والضالين**" کہے تو تم آمین کہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷛ کی صحیح حدیث کی طرح حضرت ابوہریرہ ﷛ سے مروی یہ صحیح احادیث ناطق ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی صورت میں امام کا فریضہ قرأت کرنا اور مقتدی کا وظیفہ امام کی قرأت کے لیے چپ رہنا ہے چنانچہ جماعت اہل حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

در حدیث ابوہریرہ ﷛ وابو موسیٰ ﷛ است "**واذا قرأ فانصتوا**" پس حظ مؤتم انصات واستماع قرأت امام است، وانصات خاص بجہر نیست بلکہ

شامل سریہ ہم است پس واجب سکوت باشد مطلقاً نزد قرأت (ہدایۃ السائل، ص:۱۹۳)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت موسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں "واذاقرأ فانصتوا" وارد ہوا ہے لہٰذا مقتدی کا حصہ خاموش رہنا اور امام کی قرأت کی جانب کان لگانا ہے اور یہ خاموش رہنا جہری نمازوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ سری نمازوں کو بھی شامل ہے لہٰذا امام کی قرأت کے وقت جہری وسری سب نمازوں میں سکوت واجب ہوگا۔

۳—عن انس ان النبی ﷺ قال: اذا قرأ الامام فانصتوا(۱)

(کتاب القراۃ للبیہقی، ص:۹۲)

ترجمہ: خادم رسول حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم لوگ چپ رہو۔

تشریح: یہ حدیث پاک بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی کا کام چپ رہنا ہے۔

۱۱—عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ صلی الظہر فجعل رجل یقرأ خلفہ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" فلما انصرف قال ایکم قراء اوایکم القاری؟ قال رجل انا! فقال قدظننت ان بعضکم خالجنیہا" (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۱۷۲)

ترجمہ: عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز (شروع) فرمائی تو ایک صاحب (آپ کے پیچھے) سورۂ سبح اسم پڑھنے لگے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا تم میں سے کس نے قرأت کی یا یہ فرمایا کہ تم میں سے پڑھنے والا کون ہے؟ ایک صاحب بولے کہ

---

(۱) اس حدیث کی سند کے ایک راوی الحسن بن علی بن شعیب المعمری" پر موسیٰ بن ہارون نے کچھ کلام کیا ہے مگر یہ کلام امام دارقطنی کی تحقیق کے مطابق بربنائے عداوت ہے جس کا محدثین کے یہاں اعتبار نہیں دیکھئے لسان المیزان، ج:۲، ص:۲۲۵،۲۲۴) لہٰذا بلا غبار اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

میں نے قرأت کی ہے (یہ سن کر) آپ نے فرمایا میں سمجھ رہا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھے خلجان میں ڈال رہا ہے۔

۱۲—عن عمران بن حصین قال صلی النبی ﷺ الظہر فقرأ رجل خلفہ "بسبح اسم ربک الاعلیٰ" فلما صلی قال من قرأ بسبح اسم ربک الاعلیٰ قال رجل انا، قال قد علمت ان بعضکم قد خالجنیہا.

(سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۰۶)

ترجمہ: عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک صاحب (آپ کے پیچھے) "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھنے لگے آپ نے نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا (میرے پیچھے) کس نے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی؟ ایک صاحب بولے میں نے۔ آپ نے فرمایا میں جان رہا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھے خلجان میں ڈال رہا ہے۔

۱۳— عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ صلی الظہر اوالعصر ورجل یقرأ خلفہ فلماانصرف قال ایکم قرأ "بسبح اسم ربک الاعلیٰ" قال رجل من القوم انا ولم اردبہا الا الخیر فقال النبی ﷺ قدعرفت ان بعضکم قد خالجنیہا (سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۰۶)

ترجمہ: عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی اسی حال میں ایک صاحب نے آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ کی قرأت کی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو پوچھا تم میں سے کس نے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی؟ مقتدیوں میں سے ایک صاحب بولے میں نے اور میری نیت ثواب ہی کی تھی (یہ سن کر) آپ نے فرمایا میں خیال کر رہا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھے قرأت میں الجھا رہا ہے۔

تشریح: حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ان تینوں صحیح حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بحالت نماز اپنے پیچھے مقتدی کی قرأت پر آپ نے اظہار ناگواری

فرمایااور پوری جماعت میں سے ایک شخص کی قرأت کو بھی برداشت نہیں کیا بلکہ ان کی قرأت کے عمل کو خلل اندازی قرار دیا اور وہ بھی سری نماز میں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جہری نمازوں میں بدرجہ اولی امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۴ —عن عبداللہ بن مسعود قال كانوا يقرؤن خلف النبی ﷺ فقال خلطتم علی القرآن(۱)(معانی الاثار، ج۱ ص:۱۰۶)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ نبی ﷺ کے پیچھے نماز میں قرات کرتے تھے تو آپ نے ان کے اس عمل پر فرمایا تم لوگوں نے مجھ پر قرآن کی قرات گڈمڈ کردی۔

تشریح: امام ابو بکر جصاص رازی لکھتے ہیں اس حدیث میں یقرؤن مطلق ہے یعنی اس میں سورہ فاتحہ یا قرآن کی کسی اور آیت یا سورۃ کی قید نہیں ہے اسلئے یہ لفظ سورہ فاتحہ اور قرآن کی جملہ سورتوں کو شامل ہوگا" (احکام القرآن جلد ۳ ص۱۵) جس سے معلوم ہوا کہ بحالت اقتداء کسی بھی سورۃ یا آیت کا پڑھنا امام کی قرأت کے لئے باعث خلجان ہے جس کی اجازت نہیں۔

۱۵ — عن عبداللہ بن شداد عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قراۃ (۲)(مسند احمد بن منیع بحوالہ فتح القدیر ج۱ ص ۲۹۵ اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج۲ ص۳۴۳ للامام البوصیری وقال صحیح علی شرط الشیخین)

ترجمہ: عبداللہ بن شداد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

---

(۱) یہ روایت مسند احمد، مسند ابو یعلی اور مسند بزار میں بھی ہے اور امام ہیثمی مسند احمد کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں، رجالہ رجال البخاری مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۱۱۰ اور محقق ماردینی لکھتے ہیں "وہذا اسند جید" الجوہر النقی ج:۲، ص:۱۶۲، اور عصر حاضر کے مشہور محدث شیخ البانی کہتے ہیں ہذا حدیث حسن"۔

(۲) مولانا عبدالرحمن مبارک پوری اس روایت کے بارے لکھتے ہیں 'بظاہر صحیح ہے کیونکہ موصول بھی ہے اس کے تمام رواۃ بالاتفاق ثقہ ہیں اور کوئی علت قادحہ بھی بظاہر اس میں نہیں پائی جاتی" تحقیق الکلام ج ۲ ص ۱۴۸۔

کہ انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے امام کی قتداء کی تو امام کی قرات مقتدی کی قرات کے حکم میں ہے

تشریح: اس صحیح حدیث میں سری وجہری نماز کی قید نہیں علاوہ ازیں حدیث کی ابتداء لفظ من سے ہے جو اپنے عمومی معنی پر نص ہے جس سے معلوم ہوا کہ جس نے امام کی اقتدا کر لی تو اب اسے بغیر کسی تخصیص کے امام کے پیچھے الگ سے قرات کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ امام کی قرأت شرعاً مقتدی کی قرات مان لی گئی ہے

۱۶ —عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قرأۃ (۱)(مؤطاء محمد ص ۹۴)

ترجمہ۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

۱۷ —عن جابر بن عبداللہ ان رجلا صلی خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الظہر او العصر یعنی قرأفاومی الیہ رجل فنہاہ فابی فلما انصرف قال اتنہانی ان اقرأ خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتذاکرا حتی سمع النبی ﷺ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ من صلی خلف امام فان قرأۃ الامام لہ قرأۃ (۲)(کتاب القراۃ للبیہقی ص ۱۰۲)

---

(۱) اس روایت کی سند بھی صحیح ہے رہا امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے ساتھ تعصب تو اس کا کوئی علاج نہیں اور اس متعصبانہ رویہ سے نہ حدیث کی صحت متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی امام ابو حنیفہ کی ثقاہت اور جلالت شان پر کوئی حرف آتا ہے۔

(۲) امام بیہقی کی نقل کردہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے امام دار قطنی وغیرہ کا یہ نقد کہ اس حدیث کی سند میں ابو الولید "راوی مجہول ہے اس لئے یہ روایت ضعیف نا قابل استدلال ہے" در حقیقت وہم کا نتیجہ ہے کیونکہ ابو الولید کوئی الگ شخصیت نہیں بلکہ یہ عبداللہ بن شداد کی کنیت ہے امام حاکم لکھتے ہیں عبداللہ بن شداد ھو بنفسہ ابو الولید ومن تہاون بمعرفۃ الاسامی اورثہ مثل ھذا الوھم امام حاکم نے یہی بات امام علی المدینی سے بھی نقل کی ہے" عبداللہ بن شداد اصلہ مدنی وکنیتہ ابو الولید روی عنہ اہل الکوفہ معرفتہ الحدیث ص ۱۷۸، علاوہ ازیں تہذیب التہذیب ج۵ ص ۲۵۱، اور لسان المیزان ج۶ ص ۲۲۸، وغیرہ میں بھی بصراحت موجود ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ظہر یا عصر کی نماز میں کسی مقتدی نے قرأت کی تو ایک صاحب نے اشارے سے انھیں قرأت سے منع کیا وہ مانے نہیں اور نماز سے فراغت کے بعد منع کرنے والے سے کہا کیا تم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے مجھے قرأت کرنے سے منع کر رہے تھے وہ دونوں یہ گفتگو اس انداز میں کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سن لیا اور ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی اس مقتدی کی قرأت ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ظہر یا عصر کی نماز کا ذکر ہے جو سرّی نمازیں ہیں اور آپ کے پیچھے قرأت کرنے والے صرف ایک صاحب تھے مگر آپ نے شخص واحد کی قرأت کو بھی پسند نہیں فرمایا اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ امام کی قرأت ہی اس کیلئے کافی ہے علاوہ ازیں اگر بحالت اقتدا قرأت کی اجازت حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم میں معلوم و متعارف ہوئی تو دوران نماز صحابی اشارہ سے قرأت کرنے سے منع نہ کرتے نیز اگر بحالت اقتداء مقتدی کیلئے قرآت کرنی درست ہوتی بالخصوص سرّی نمازوں میں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم منع کرنے والے کو ضرور تنبیہ فرماتے کہ ایک درست و جائز کام کی وجہ سے تم نے نماز کے خشوع و خضوع سے صرف نظر کر کے دوسری طرف توجہ کیوں کی الحاصل اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو بغیر کسی خارجی قرینہ کے خود یہ حدیث بتا رہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کیلئے قرأت کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۸ —عن جابر ان رجلاً قرأخلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الظهر او العصر فا ؤمأاليه رجل فنهاه فلما انصرف قال اتنهانى ان اقرأخلف النبى صلى الله عليه وسلم فتذاكرا ذالك حتى سمع

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) کہ ابوالولید عبداللہ بن شداد کی کنیت ہے اسلئے بلا غبار اس روایت کی سند صحیح ہے امام ابن قدامہ نے بھی المغنی ج ۱ ص ۶۰۹ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے جس میں حدیث کے آخری الفاظ یوں ہیں فقال رسول الله ﷺ اذا كا ن لك امام يقرأفان قرأته لك قرأة۔

النبى صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله ﷺ من صلى خلف الامام فان قرأته له قرأة " (۱) (روح المعانى ج ۹ ص ۱۳۴)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی ایک صاحب نے اشارے سے انہیں اس سے منع کیا نماز سے فراغت کے بعد قرأت کرنے والے نے منع کرنے والے سے کہا کیا تم مجھے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر رہے تھے، دونو اس بارے میں گفتگو کر رہے تھے جسے آنحضرت ﷺ نے سن لیا اور ارشاد فرمایا اگر کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے۔

۱۹ —عن ابى الزبير عن جا بر قال قال رسولالله صلى الله عليه وسلم من كا ن له امام فقرأةالامام له قرأة (۲) (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۹)

(۱) یہ روایت امام ابویوسف کی کتاب الآثار ص ۲۳ میں بھی ہے اس کے آخر میں ہے قال رسول الله صلى عليه وسلم من صلى خلف امام فان قرأةالامام له قرأة امام حاکم نے مستدرک ج ۱ ص ۲۹۶ ج ۲ ص ۳۴ میں ایک حدیث کی سند یہ بیان کی ہے اخبرنا بكر بن محمد حمدان الصيرفى نا عبدالصمد بن الفضل البلخى نا مكى بن ابراهيم نا ابو حنيفه نا موسىٰ بن ابى عائشة نا عبدالله بن شداد بن الهاد عن جا بر بن عبدالله اور اس کے بارے میں لکھتے ہیں "صحیح" امام ذہبی نے تلخیص مستدرک میں حاکم کی موافقت کرتے ہوئے اس کی تصحیح فرمائی ہے یہ زیر نظر حدیث بھی بعینہٖ اسی سند سے مروی ہے اس لئے اس کے صحیح ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ایک غیر مقلد عالم لکھتے ہیں "اس حدیث کے جملہ راوی سوائے ابو حنیفہ کے ثقہ ہیں "امام ابو حنیفہ" اکابر ائمہ حدیث و فقہا و رجال کے نزدیک ثقہ و ثبت ہیں اس لئے ان کی تضعیف بجز عناد اور تشدد بیجا کے اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور متعصبین، معاندین اور متشددین کی جرح و تضعیف سے راویان حدیث مجروح ہونے لگیں تو پورے اسماء الرجال کے دفتر میں کوئی راوی مشکل ہی سے ثقہ اور لائق حجت ملے گا اس لئے بلا تردد یہ روایت صحیح الاسناد ہے۔

(۲) یہ حدیث بھی صحیح الاسناد و متصل السند ہے چنانچہ حافظ شمس الدین ابن قدامہ لکھتے ہیں "هذا اسناد صحيح متصل رجاله كلهم ثقات" (شرح المقنع الكبير ج ۲ ص ۱۱ بر حاشیہ) حافظ شمس الدین یہ بھی صراحت کرتے ہیں۔ صالح ادرك ابا زبير"

جمہور محدثین کے نزدیک اتصال سند کے لئے امکان لقا کافی ہے اور حسن بن صالح کی ولادت ۱۰۰ھ میں ہوئی ہے اور ابو الزبیر کی وفات ۱۲۸ھ میں اس لئے امکان لقا میں کیا تردد ہے۔

ترجمہ: ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس صحابی رسول جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے۔

۲۰ —عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال کل من کان له امام فقرأته له قرأة"(۱)(مصنف ابن ابی شیبه ج۱ ص ۳۷۷)

ترجمہ: جابر ابن عبداللہؓ سے مروی ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے۔

۲۱ —عن ابی الزبیر عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ من کان له امام فقرأة الامام له قرأة، اتحاف الخیره المهره ج:۲، ص:۳٤۲. بروایت مسند عبد بن حمید و قال الامام البوصیری، والآلوسی صحیح علی شرط مسلم.

ترجمہ۔ ابوالزبیر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی امام کا مقتدی ہو تو امام کی قرأت اس مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے

۲۲ —عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال ام رسول الله ﷺ فی العصر قال فقرأ رجل خلفه فغمزه الذی یلیه فلما ان صلی قال لم غمزتنی قال کان رسول الله ﷺ قدامك فكرهت ان تقرأ خلفه فسمعه النبی ﷺ فقال من کان له امام فان قرأته له قرأة(۲) (مؤطاء محمد ص ۹۸)

(۱) اس روایت کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں علامہ ماردینی لکھتے ہیں "هذا سند صحیح الجوهر النقی ج ۲ ص ۱۵۹۔

(۲) یہ روایت بھی صحیح الاسناد ہے البتہ مرسل ہے امام دار قطنی اور بیہقی وغیرہ جو محدثین اس روایت کو مرفوعاً ضعیف کہتے ہیں وہ بھی مرسلاً اس کو صحیح مانتے ہیں اگر راوی حدیث عبداللہ بن شداد صحابی ہیں جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر وغیرہ کی رائے ہے تو اس کے مقبول و حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں کیونکہ مراسیل صحابہ باتفاق محدثین حجت ہیں اور اگر یہ تابعی ثقہ ہیں جیسا کہ اکثر ائمہ حدیث کا قول ہے جب بھی اس کی تصحیح بے غبار ہے کیونکہ یہ ایسی مرسل ہے جس کو روایت مرفوع نیز آثار (بقیہ: اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: عبداللہ بن شداد بن الهاد روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے نماز عصر کی امامت فرمائی ایک صاحب آپ کے پیچھے قرأت کرنے لگے تو ان کے قریب کے نمازی نے انہیں اشارہ کیا جب نماز سے فراغت ہو گئی تو قرأت کرنے والے نے پوچھا تم نے مجھے کیوں اشارہ کیا تو ان صاحب نے کہا چونکہ آنحضرت تمہارے امام تھے تو مجھے یہ پسند نہیں ہوا کہ تم بھی آنحضرت ﷺ کے پیچھے قرأت کرو نبی کریم ﷺ نے اس گفتگو کو سن لیا اور فرمایا اگر کسی نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے (یعنی الگ سے مقتدی کو قرأت کی ضرورت نہیں)

تنبیہ: حضرات محدثین کی اصطلاح میں سند کے تعدد سے حدیث متعدد شمار کی جاتی ہے اسی اصول کے تحت ۱۴ سے ۲۲ تک کی حدیثوں کو الگ الگ شمار کیا گیا ہے۔

(بقیہ: گذشتہ صفحہ کا) صحابہ اور فقہا کے اقوال سے تقویت حاصل ہے اور ایسی مرسل روایت ان محدثین کے نزدیک بھی حجت ہے جو مراسیل کی حجیت کے قائل نہیں اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زیر بحث روایت کو مرفوعاً مرسلاً ایک جماعت روایت کرتی ہے چنانچہ جماعت غیر مقلدین کے پیشوائے اعظم نواب صدیق حسن خاں کو بھی اس کا اعتراف ہے موصوف اپنی مشہور تصنیف ہدایت السائل ص ۲۰۲ پر لکھتے ہیں وبالجملہ ایں حدیث بطرق متعددہ ارسالاً و رفعاً مروی شدہ و در روے دلالت است بر آنکہ مؤتم در پس امام فاتحہ نخواند زیراکہ قرأت امام قرأت مؤتم است "یعنی یہ حدیث متعدد سندوں سے مرسلاً و مرفوعاً مروی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے کیونکہ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے اور ہندوستان کے مشہور محقق عالم مولانا عبدالحی فرنگی محلی اس روایت کے بہت سارے طرق نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ان الطرق الحدیث الذی نحن فیه بعضها صحیحة او حسنة وبعضها ضعیفة ینجبر ضعفها بغیرها من الطرق الکثیرة فالقول بانه حدیث غیر ثابت اوغیر محتج به او نحو ذالك غیر معتمد بها (امام الکلام ص ۱۴۸) اس زیر بحث حدیث کی بعض سندیں صحیح یا حسن ہیں اور بعض ضعیف ہیں جن کا ضعف کثرت طرق سے دور ہو جاتا ہے لہذا یہ کہنا کہ یہ حدیث ثابت نہیں یا لائق استدلال نہیں وغیرہ لائق اعتماد بات نہیں ہے اور غیث الغمام حاشیہ امام الکلام ص ۱۴۲ میں لکھتے ہیں" لو ادعی ان سند هذالحدیث اقوی من سند عبادة الا تی ذکره اومثله لم یبعد فا نصف "اگر دعوی کیا جائے کہ حضرت جابر کی اس حدیث کی سند حضرت عبادہ کی روایت لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحة الکتاب" سے زیادہ قوی یا قوت میں اس کے درجہ کی ہے تو (از روئے اصول محدثین) یہ دعوی صحت سے دور نہیں ہو گا لہذا انصاف پیش نظر رکھا جائے۔

۲۳-مالك عن ابن شهاب عن ابن اكيمة الليثى عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ انصرف من صلوة جهر فيها بالقرأة فقال هل قرأمعى منكم احد آنفافقال رجل نعم انا يارسول الله فقال رسول الله ﷺ اقول مالى انازع القرآن فانتهىٰ الناس عن القرأة مع رسول الله ﷺ فيما جهر فيه رسول الله ﷺ بالقرأة حين سمعوا ذالك من رسول الله ﷺ (۱)

(۱) یہ حدیث نسائی ج۱ ص۱۰۶ سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۲۰ مسند احمد ج۲ ص۳۰۱ وغیرہ کتب حدیث میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اس کے مرکزی راوی ابن اکیمہ اللیثی مشہور ثقات تابعین میں ہیں ابن تیمیہ فتاوی ج۲ ص۱۴۵ ر میں لکھتے ہیں کہ ابو حاتم البستی کے بقول ان سے روایت کرنے والوں میں امام زہری کے علاوہ خود ان کے پوتے عمر بن مسلم اور سعید بن ہلال ہیں نیز ایک چوتھے راوی ابولحویرث بھی ہیں دیکھئے مستدرک ج۳ ص۲۸۴ ر اس لئے حافظ عبدالرحمن مبارکپوری کا ابکار المنن ص۱۵۵ ر میں انہیں مجہول کہنا اصول محدثین سے صریح انحراف ہے چنانچہ اپنی اس غلطی کا تدارک تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۲۵۴ میں بایں الفاظ کیا ہے کہ ابن اکیمہ ثقہ اور اوساط تابعین میں سے ہیں فالحمدللہ علی ذالک۔

پھر امام بخاری امام نودی امام بیہقی وغیرہ بزرگوں کی آواز میں آواز ملاکر مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں فانتهى الناس عن القرأة حين سمعوا ذالك من رسول الله ﷺ کی زیادتی حضرت ابوہریرہ کی بیان کردہ نہیں ہے بلکہ یہ امام زہری کا اپنا قول ہے کیونکہ امام لیث بن سعد اور ابن جریج اپنی روایت میں اس زیادتی کو بیان نہیں کرتے نیز امام اوزاعی بصراحت امام زہری سے نقل کرتے ہیں کہ قال الزهرى فاتعظ الناس فلم يكونوا يقرأون (جزالقرأۃ ص۲۴) لیکن ان اکابر کا یہ نقد بھی اصول محدثین سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے کیونکہ خود امام بیہقی لکھتے ہیں کہ جو جملہ حدیث مرفوع کے ساتھ بیان ہو وہ مرفوع ہی ہوگا الا یہ کہ اس کے مدرج ہونے پر قاطع دلیل قائم ہو (تلخیص الحبیر: ص۹۲۶) نیز حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کمزور سند اور احتمال محض سے ادراج ثابت نہیں ہوتا فتح الباری ج۲ ص۴۲۵۔

اور اس جملہ کے مدرج ہونے کی کوئی قوی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس امام ابوداؤدؒ بروایت ابن فابی سرح عن معمر عن الزهرى نقل کرتے ہیں قال ابوهريره فانتهى الناس سنن ابوداؤد ج۱ ص۱۲۰ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ خود ابوہریرہؓ کا بیان کردہ ہے نہ کہ امام زہری کا مدرج ہے اور محدثین کا یہ مسلمہ فیصلہ ہے کہ معمر اثبت الناس فی الزھری ہیں اس لئے امام لیث اور ابن جریج کا اس جملہ کو نقل نہ کرنا اس کے مدرج ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا رہا مسئلہ امام اوزاعی کی روایت کا تو بجا ہے کہ امام اوزاعی محدث کبیر اور فقیہ وامام ہیں مگر علماء جرح وتعدیل اس کی صراحت کرتے ہیں کہ ان کی امام زہری سے تمام روایتیں ضعیف وکمزور ہیں اس لئے معمر کی روایت جو اثبت الناس فی الزھری ہیں کو چھوڑ کر امام اوزاعی کی روایت کیونکر قبول کی جاسکتی ہے کیونکہ فقہاء محدثین کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ صحیح وضعیف میں تعارض ہو تو صحیح (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(مؤطامالك، ص۲۹) ورواه الترمذى وقال هذاحديث حسن، وقال الحافظ المغلطائى قال الترمذى هذاحديث حسن فى اكثرالنسخ وبعضها صحيح وقال الحافظ ابوعلى طوسى فى كتاب الاحكام من تاليفه هذاحديث حسن-وصححه ابوبكرالخطيب فى كتابه المدرج "الاعلام قلمى، ج:۴، ص.۸۲، وصححه ايضاابوحاتم الرازى وابن كثيرلفسير القرآن ابن كثير ج:۲، ص:۲۸۷.

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قرأت کی ہے ایک صاحب بولے جی ہاں میں نے یارسول اللہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبھی تو میں جی میں کہ رہا تھا میرے ساتھ قرأت قرآن میں منازعت کیوں ہو رہی ہے (آپ کے اس ارشاد کے بعد) جن

(بقیہ: گذشتہ صفحہ کا) مقبول اور ضعیف مردود ہوگی اس لئے ان بزرگوں کی جلالت شان پر ایک مسلمہ اصول کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔ مزید تحقیق وتفصیل کے لیے مسند احمد مع تعلیق احمد شاکر ج:۱۲ ص:۲۵۸-۲۸۵ دیکھئے شیخ احمد شاکر نے اس حدیث میں بڑی محققانہ اصولی بحث کی ہے۔

علاوہ ازیں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں اگر بالفرض فانتہی الناس جملہ کو امام زہری کا مدرج تسلیم کرلیا جائے تب بھی یہ اس بات کی نہایت وزنی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام زہری اپنے عہد میں حدیث وسنت کے زبردست عالم تھے اگر امام کے پیچھے قرأت کرنا ضروری ہوتا تو یہ مسئلہ امام زہری سے کیسے مخفی رہ سکتا تھا؟

جب امام زہری یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں لوگوں نے قرأت ترک کردی تھی تو یہ اس بات کی روشن اور معقول دلیل ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ اسی پر امام زہری نے انہیں عامل اور کاربند پایا۔ فتاوی، ج:۲، ص:۱۴۵۔

پھر فانتہی الناس کا یہ جملہ جسے یہ اکابر امام زہری کا مدرج ٹھہراتے ہیں بالفرض سرے سے اس روایت میں نہ ہو اور روایت "مالی انازع القرآن" پر ختم ہو جائے (جیسا کہ امام لیث اور ابن جریج کی روایت یہیں پر ختم ہو جاتی ہے) جب بھی یہ حدیث جمہور کی دلیل ہوگی کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سارے مقتدیوں میں سے صرف ایک شخص نے قرأت کی اور اس کو بھی آپ نے برداشت نہیں فرمایا نماز سے فارغ ہوتے ہی فوراً اس کے بارے میں پوچھا اور اس شخص کے اقرار کے بعد "مالی انازع القرآن" کے جملہ سے اس کی قرأت پر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا کیا اس تنبیہ کے بعد بھی حضرات صحابہ کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ وہ باقاعدہ امام کے پیچھے قرأت کرتے رہے "فتدبر"۔

نمازوں میں آپ جہر سے قرأت کیا کرتے تھے حضرات صحابہ نے آپ کے پیچھے ان میں قرأت کرنی ترک کر دی۔

۲۴ – عن عبدالله بن بحينة ان رسول الله ﷺ قال هل قرأ احد منكم آنفا قالوا نعم،قال انى اقول مالى انازع القرآن،فانتهى الناس عن القرأة معه حين قال ذلك. (۱) (مسند احمد، ج:۵،ص:۳۴۵)

ترجمہ: عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں (اس پر) آپ نے ارشاد فرمایا میں (اپنے جی میں) کہہ رہا تھا کہ کیوں مجھ سے قرأت قرآن میں منازعت کی جارہی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جہری نماز کی قید نہیں ہے لہٰذا یہ سری و جہری دونوں نمازوں کو شامل ہوگی اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس تنبیہ کے بعد صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے سب نمازوں میں قرأت کرنی چھوڑ دی تھی۔ (احکام القرآن جصاص رازی، ج:۳، ص:۵۲)

اور اگر اس روایت میں جہر کی قید بھی ہو جیسا کہ مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۱۱۰ کی ایک روایت میں ہے "صلى صلوة يجهر فيها" تو یہ حدیث بغیر کسی تردد کے

---

(۱) اس حدیث پر امام بزار اور امام بیہقی نے یہ نقد کیا ہے کہ اس روایت میں راوی محمد بن عبداللہ بن مسلم نے خطا کی ہے اصل روایت عن ابن اکیمہ عن ابی ہریرہ تھی لیکن انہوں نے عن ابی بحینہ کر دیا"

لیکن اس حدیث کے بارے میں امام ہیثمی کا "رجاله رجال الصحيح" کہنا یہ ان حضرات کی تردید کے لیے کافی ہے کیوں کہ ابن اکیمہ بخاری کے راوی نہیں ہیں۔ نیز علامہ ہاشم بن عبدالغفور سندھی اپنے رسالہ تنقيح الكلام فى النهى عن القرأة خلف الامام میں لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ نقد ساقط الاعتبار ہے کیوں کہ لا امتناع فى ان الحديث الواحد مرويا من صحابيين بسند واحد وبسند ين مختلفين ولم يقل بامتناعه احد فيما علمنا من اهل العلم بالحديث (غیث الغمام ص:۱۱۶)

اور اگر بالفرض ان حضرات کا یہ اعتراض تسلیم کر لیا جائے جب بھی حدیث کی صحت کے لیے یہ مضر نہیں ہوگا کیوں کہ ابن اکیمہ بھی ثقہ و معروف ہیں اس لیے یہ اعتراض برائے اعتراض ہی ہے۔

جہری نمازوں میں ترک قرأۃ خلف الامام پر حدیث سابق کی طرح صریح دلیل ہے۔

۲۵ – عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ ماكان من صلوة يجهر فيها الامام بالقرأة فليس لا حدان يقرأ معه (۱) (كتاب القرأة للبيهقى، ص:۹۹ وص:۱۲۲ طبع اشرف پریس)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن نمازوں میں امام جہراً قرأت کرتا ہے تو کسی کو حق نہیں کہ وہ امام کیساتھ قرأت کرے۔

۲۶ – عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ كل صلاة لايقرأ فيها بام الكتاب فهى خداج الاصلاة خلف الامام (۲) (كتاب القرأة للبيهقى طبع دهلى، ص:۱۷۱)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

---

(۱) اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں اور یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کی بالکل گنجائش نہیں ہے "فليس لاحدان يقرأ معه" کو "فليس لاحدان يقرأ معه غير سورة الفاتحه" قرار دینا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مطلق کو بلا دلیل مقید کرنا نہ ہی جنبہ داری اور تحکم محض ہے جس کا دلائل کی دنیا میں کوئی اعتبار نہیں۔

اسی طرح امام بیہقی کا اس حدیث کو منکر کہنا بھی بے جا ہے کیوں کہ محدثین کی اصطلاح میں کثیر الغلط والغفلة کی روایت یا ضعیف کی ثقہ راویوں کے مخالف روایت منکر کہلاتی ہے۔ جبکہ اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔ اس لیے بقول مولانا مبارکپوری امام بیہقی اگرچہ مشہور محدث ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (تحقیق الکلام، ج:۲، ص:۳۲)

لہٰذا یہ حدیث بلا غبار مقبول و لائق استدلال ہے۔ بیجا زور زبردستی سے اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اس حدیث کے جملہ راوی ابتدائے سند سے صحابی رسول حضرت ابوہریرہ تک سب کے سب ثقہ اور قابل حجت ہیں اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ سند کے آخری راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ "المدنی" ہیں "الواسطی" نہیں ہیں اور عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنی صحیح مسلم کے راویوں میں سے ہیں امام بیہقی کو وہم ہو گیا ہے کہ انہوں نے المدنی کو عبدالرحمٰن الواسطی سمجھ لیا اور اسی بنیاد پر ان کے بارے میں امام یحییٰ بن معین اور امام احمد کی جرح نقل کر دی دیکھیے فصل الخطاب تالیف محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری، ص:۱۸۰ الحاصل مذکورہ حدیث جید الاسناد ہے اور ترک قرأت خلف الامام پر علی الاطلاق صریح ہے۔

ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کی اقتداء میں پڑھی جائے۔

تشریح: اس حدیث میں "ام الکتاب" اور "خلف الامام" کی قید بطور خاص ملحوظ رہے کہ آپ نے تمام نمازوں میں سورۂ فاتحہ کی قرأت ضروری قرار دی ہے مگر مقتدی کے لیے اس کی قرأت کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ علاوہ ازیں امام بیہقی وغیرہ نے جہاں قرأت سے "مازاد علی الفاتحہ" مراد لے کر مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اس روایت نے اس تاویل کے دروازہ کو بھی بند کر دیا ہے۔

۲۷—عن الحسن عن ابی بکرة ؓ انه انتهی الی النبی ﷺ وهو راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال زادك الله حرصًا ولا تعد (بخاری، ج:۱، ص: ۹۰)

ترجمہ: حسن بصریؒ حضرت ابو بکرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (نماز میں) آنحضرت ﷺ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ آپ رکوع میں تھے۔ چنانچہ ابو بکرہ صف میں ملنے سے پہلے رکوع میں چلے گئے (اور دھیرے دھیرے چل کر صف میں مل گئے) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے کار خیر کا حریص بنائے اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

تشریح: ظاہر ہے کہ صحابیٔ رسول ﷺ ابو بکرہ ؓ بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے رکوع میں شامل ہو گئے تھے پھر بھی ان کی رکعت، اور نماز کو آنحضرت ﷺ نے صحیح اور مکمل قرار دیا اسی بناء پر اس نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ معلوم ہوا کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب و فرض نہیں ورنہ ان کی یہ نماز کیسے صحیح ہوتی۔

نیز آنحضرت ﷺ نے ابو بکرہ ؓ کے رکوع میں جانے کو بنظر کراہت نہیں دیکھا جیسا کہ بعض غیر مقلد علماء اسے باور کرانے کے درپے ہیں بلکہ صف میں پہنچنے سے پہلے نماز شروع کرنے اور پھر چل کر صف سے ملنے کو ناپسند فرمایا۔

لاتعد، کو بعض محدثین **لا تعدُو**، پڑھتے ہیں یعنی نماز کے لیے دوڑ

کر نہ آؤ بلکہ اطمینان و وقار سے چلو، اور بعض **لا تُعِدْ**، پڑھتے ہیں یعنی پھر دوبارہ تنہا صف کے پیچھے نماز شروع کرنے کی حرکت نہ کرنا۔ عام علماء نے اسی کو راجح کہا ہے، اور بعض حضرات لا تُعِد پڑھتے ہیں یعنی تمہاری نماز بالکل درست ہے اس کا اعادہ نہ کرو۔ (حاشیہ مشکوٰۃ، ص:۹۹)

تنبیہ: جمہور فقہاء اسلام اور ائمہ اربعہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مدرک رکوع یعنی رکوع پا جانے والا شرعاً رکعت پا جاتا ہے شروح حدیث اور کتب فقہ میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے اس لیے بعض علمائے غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں ملے گی کیوں کہ اس صورت میں سورۂ فاتحہ کی قرأت چھوٹ گئی۔ قابل التفات نہیں۔

۲۸—عن ابی صالح السمّان عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام (غیر المغضوب علیهم ولا الضالین) فقولوا آمین، فانه من وافق قوله قول الملائکة غفرله ما تقدم من ذنبه (الموطأ امام مالك، ص: ۳۰ والحدیث اخرجه البخاری عن عبدالله بن مسلمة عن مالك به انظر الزرقانی علی الموطأ، ج: ۱، ص: ۱۸۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب امام "**غیر المغضوب علیهم ولا الضالین**" کہے تو تم لوگ آمین کہو کیوں کہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو گیا اس کے سارے گذشتہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

۲۹—عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال: اذا قال الامام (غیر المغضوب علیهم ولا الضالین) فقولوا آمین فان الملائکة تقول آمین، وان الامام یقول آمین فمن وافق تامینه تامین الملائکة غفرله ماتقدم من ذنبه".

(رواہ احمد، ج:۲، ص: ۲۳۳۔ والنسائی، ج:۱، ص: ۱۰۷۔ والدارمی، ج:۱، ص: ۲۲۸ وذکرہ الامام البغوی فی شرح السنۃ وقال ہذا حدیث صحیح، ج:۳، ص:۶۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب

امام (غیر المغضوب علیھم ولا الضالین) کہے تو تم آمین کہو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے تو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے گذشتہ گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث بھی یہی بتارہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۃ فاتحہ وغیرہ کی قرأت نہیں کریں گے اس لیے کہ اگر امام کی اقتداء میں ہوتے ہوئے بھی ان کے ذمہ قرأت ہوتی تو نبی کریم ﷺ یہ نہ فرماتے کہ جب امام (غیر المغضوب علیھم ولا الضالین) کہے تو تم آمین کہو بلکہ یہ فرماتے کہ جب تم سورۃ فاتحہ پڑھ چکو تو آمین کہو۔ چنانچہ الامام الحافظ ابو عمر ابن عبد البر لکھتے ہیں۔

" وفی ھذاالحدیث دلا لة علی ان الما موم لا یقر آخلف الامام اذا جھرلا بام القرآن ولا بغیرھا، لان القرآة بھالو کانت علیھم لا مرھم اذافرغوامن فاتحة الکتاب ان یومن کل واحد منھم بعد فراغه من قرآته: لان السنة فیمن قرآبام القرآن ان یؤ من عند فراغه ، ومعلوم ان المامومین اذا اشتغلوا با لقرآة خلف الامام لم یکادوا یسمعون فراغه من قرآة فاتحه الکتاب، فکیف یؤمرون بالتامین عتد قول الامام (ولاالضالین) ویومرون بالاشتغال عن استماع ذالك ھذا مالایصح " (التمھید ج ۲۲ ص ۱۷)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام کے پیچھے جبکہ امام جہری قرآت کرے مقتدی نہ سورہ فاتحہ کی قرآت کریں نہ کسی اور سورہ کی کیونکہ اگر ان پر سورہ فاتحہ کی قرآت ضروری ہوتی تو انہیں یہ حکم ہوتا کہ جب سورہ فاتحہ پڑھ کر فارغ ہو جائیں تو ان میں سے ہر شخص آمین کہے اس لئے کہ شرعی طریقہ بھی ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد ہر شخص آمین کہتا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ مقتدی جب امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے میں مشغول رہیں گے تو وہ امام کے قرأت فاتحہ سے فارغ ہونے کو اچھی طرح سن نہ سکیں

گے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں امام کے (ولاالضالین) کہنے کے وقت آمین کہنے کا حکم دیا جائے اور ساتھ ہی اس کی قرأت کی طرف سے عدم توجہ کا بھی حکم دیا جائے (ان دونوں باتوں میں تضاد ظاہر ہے اس لیے یہ) صحیح نہیں ہو سکتا۔

۳۰-عن ابن عباس قال لما مرض رسول الله ﷺ مرضه الذی مات فیه کان فی بیت عائشة فقال ادعوا لی علیا قالت عائشة ندعوالك ابابکر قال ادعوه قالت حفصة ندعوا لك عمر قال ادعوه قالت ام الفضل یا رسول الله ندعوالك العباس قال نعم فلما اجتمعوا رفع رسول الله ﷺ رأسه فنظر فسکت فقال عمر قوموا عن رسول ﷺ ثم جاء بلال یؤذنه بالصلوٰة فقا ل مروا ابابکر فلیصل بالناس فقالت عائشة یا رسول الله ان ابا بکر رجل رقیق حصر ومتی لایراك یبکی والناس یبکون فلوامرت عمر یصل بالناس، فخرج ابوبکر فصلی بالناس فوجد رسول الله ﷺ من نفسه خفة فخرج یهادی بین رجلین ورجلاه تخطان فی الارض فلمارأه الناس سبحوا بابی بکرفذهب لیتأخرفاومیٰ الیه النبیﷺ ای مکانك، فجاء رسول الله ﷺ فجلس عن یمینه وقام ابوبکر وکان ابو بکر یأتم بالنبیﷺ والناس یأتمون بابی بکر،قال ابن عباس واخذرسول الله ﷺ من القرأة من حیث کان بلغ ابوبکر،الحدیث(ابن ماجة،ص:۸۸ ومسند احمد، ج:۱،ص:۲۳۲،وطحاوی، ج:۱، ص:۲۷۶) وقال الحافظ ابن حجر اسناداحمدوابن ماجه قوی فتح الباری، ج:۵، ص:۶۲۹. وقال فی موضع آخرواسناده حسن فتح الباری،ج:۲، ص:۱۳۸، وقال الحافظ ابن عبدالبر فهذا حدیث صحیح عن ابن عباس التمهید،ج:۲۲،ص:۳۲۲.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا دیں۔ آپ نے فرمایا بلالو، ام المومنین حضرت حفصہ بولیں حضرت عمر کو بھی بلالیں، آپ ﷺ نے فرمایا

بلالو، حضرت ام فضل نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عباس کو بھی بلالیں آپ ﷺ نے فرمایاہاں۔ جب یہ سب حضرات آگئے تو آپ نے سر مبارک اٹھا کر دیکھا اور خاموش رہے، تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا(اس وقت) آپ کے پاس سے اٹھ جاؤ، اس کے بعد حضرت بلال ؓ نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا ابو بکر ؓ سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، (یہ سن کر حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابو بکر نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں جب آپ کو نماز میں نہیں دیکھیں گے تو رونے لگیں گے اور لوگ بھی رو پڑیں گے اگر حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم فرمائیں تو بہتر ہے۔ لیکن (آنحضرت ﷺ کے حکم پر) حضرت ابو بکر آئے اور لوگوں کو نماز پڑھانے لگے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اندر کچھ افاقہ اور مرض میں خفت محسوس کی تو آپ دو آدمیوں کے سہارے (حجرہ شریفہ) سے بایں حال نکلے کہ آپ کے پائے مبارک زمین سے گھسٹ رہے تھے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو (حضرت ابو بکر ؓ کو متنبہ کرنے کی غرض سے) سبحان اللہ کہا حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے تو آپ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو، آنحضرت ﷺ (حضرت ابو بکر ؓ کے پاس) پہنچے اور ان کے دائیں جانب بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر کھڑے آپ کی اقتداء کر رہے تھے (اور بحیثیت مکبّر کے) لوگ حضرت ابو بکر کی اقتداء کرنے لگے۔

حضرت عبد للہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں "فاخذ رسول الله ﷺ من القراۃ من حیث کان بلغ ابوبکر یعنی رسول اللہ ﷺ نے قرأت اسی جگہ سے شروع فرمائی جہاں تک حضرت ابو بکر ؓ پہنچے تھے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فاستفتح رسول الله ﷺ من حیث انتهی ابوبکر من القرأۃ .

(التمہید، ج: ۲۲، ص: ۳۲۲)

حدیث مذکور سے ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی امامت میں نماز شروع ہو چکی تھی۔ چوں کہ آپ مریض تھے اور شدت نقاہت کی بناء پر دو آدمیوں کے سہارے اس حال

میں آئے کہ پائے مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس لیے ظاہر یہی ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی حضرت ابو بکر ؓ سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہو چکے ہوں گے اور اس بات میں تو قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سورۂ فاتحہ اگر مکمل نہیں تو اس کا اکثر حصہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے پڑھا جا چکا تھا۔ اور آپ ﷺ نے قرأت اسی حصہ سے شروع کی جہاں تک حضرت ابو بکر ؓ پڑھ چکے تھے۔ اس لیے لازمی طور پر آپ نے اس نماز میں پوری فاتحہ یا اس کا اکثر نہیں پڑھا۔ حضرت امام شافعیؒ اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ مرض وفات کے دوران آپ نے صرف یہی ایک نماز جماعت سے ادا فرمائی تھی (کتاب الام، ج: ۲، ص: ۱۸۸ و فتح الباری، ج: ۲ ص: ۱۴۵) اس لحاظ سے آپ کے اس آخری عمل سے بھی یہی آشکارا ہے کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ ضروری نہیں۔ اور امام بخاریؒ نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی جس سے معلوم ہوا کہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے ترک قرأت نہ صرف یہ کہ سنت رسول ﷺ ہے بلکہ یہی آپ کا آخری عمل ہے۔

الغرض حضرت موسیٰ اشعری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عمران بن حصین، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن بحینہ، حضرت ابو بکرہ، اور حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے منقول یہ تمیں احادیث جو اصول محدثین کے اعتبار سے صحیح و جید الاسناد ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کی ائمہ حدیث نے تصحیح و تحسین کی ہے صاف بتا رہی ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ وغیرہ کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ نہ پڑھنا ہی اولیٰ واحوط ہے۔ اس سے ایک حقیقت پسند اور منصف مزاج بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والے بے دلیل نہیں ہیں جیسا کہ علماء غیر مقلدین پروپیگنڈہ کرتے پھرتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں آثار صحابہ ملاحظہ کیجئے۔

آثار صحابہ ﴿رضی اللہ عنہم﴾

اللہ تعالیٰ نے جس دین کو ختمی مرتبت ﷺ پر مکمل فرمایا اسکی تاریخ اصحاب رسول سے شروع ہوتی ہے۔ خاتم الانبیاء کے یہی خاصان خاص کاروان اسلام کے پیشرو ہیں جن کی قیادت و رہنمائی میں قافلۂ امت آگے بڑھا ہے۔ یہی وہ قدسی صفات جماعت ہے جسے خدائے حکیم و قدیر نے اخلاق فاضلہ کی جلا بخشی تھی جنہیں کفر و گناہ اور حکم عدولی و نافرمانی سے نفرت از حکم شریعت نہیں بلکہ ازراہ طبیعت حاصل تھی دربار نبوت سے وابستہ یہی معزز و منتخب شخصیتیں وحی الٰہی کی اولین مخاطب اور رسول خدا ﷺ سے براہ راست تربیت یافتہ ہیں اس لیے دینی احکام و مسائل میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے بعد جن کی طرف نگاہیں اٹھ سکتی ہیں وہ صحابہ کرام ہی ہوسکتے ہیں پھر تابعین کی خیر و صلاح سے معمور جماعت ہے کیوں کہ یہی وہ مبارک لوگ ہیں جو خیر القرون کی صاف و شفاف ایمان پرور فضاؤں میں پروان چڑھے ہیں اور انہیں کے علم و عرفان کے چشموں سے دنیا کو علم و ایمان کی تازگی نصیب ہوئی ہے۔

صحابہ کرام! شرف صحبت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بناء پر سب کے سب عادل، ثقہ، خدا پرست، راست باز اور سیرت و کردار کی پاکیزگی میں اعلیٰ مقام پر فائز، اور آسمان رشد و ہدایت کے چمکتے ستارے تھے۔ پھر بھی تدبر قرآن اور فہم حدیث میں سب یکساں نہیں تھے بلکہ اس لحاظ سے ان کے درجات و مراتب میں تفاوت تھا۔ چنانچہ تابعی کبیر امام مسروق بیان کرتے ہیں میں نے صحابۂ کرام سے اکتساب فیض کیا تو میں نے دیکھا سب کا علم ان چھ بزرگوں تک لوٹتا ہے۔ حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن

مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو الدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم پھر ان بزرگوں سے اکتساب فیض پر معلوم ہوا کہ ان سب حضرات کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما پر منتہی ہو جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج:۲، ص:۲۵)

اور ایک دوسرے مشہور تابعی امام شعبی فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ میں دینی احکام و مسائل میں فیصلہ کرنے والے چھ حضرات تھے تین مدینہ منورہ میں جن کے اسماء یہ ہیں، حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، اور تین کوفہ میں، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (مستدرک حاکم، ج:۳، ص:۴۶۵)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے بھی تحفۃ الاحوذی میں حضرات صحابہ کو ترویج علم و فقہ کے اعتبار سے تین طبقات میں تقسیم کیا ہے تیسرے طبقہ جس سے احکام شریعت کی کثرت سے اشاعت ہوئی ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (ج:۱، ص:۱۱)

آپ آئندہ سطور میں دیکھیں گے کہ ان میں بیشتر وہ حضرات ہیں جو قرأت خلف الامام کے قائل نہیں تھے، اس مختصر ضروری تمہید کے بعد حضرات صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے کچھ آثار و اقوال پیش کئے جارہے ہیں۔

آثار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۱ — عن یَسَیر بن جابر قال صلی ابن مسعود فسمع ناسًا یقرأون مع الامام فلما انصرف قال أما آن لکم ان تفھموا اما آن لکم ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم الله (جامع البیان لابن جریر الطبری، ج:٦، ص.٢١٦ وتفسیر ابن کثیر، ج:٢، ص:٢٦٨ والدر المنثور للسیوطی، ج:٣، ص:٦٣٥ وزاد نسبته الی عبد بن حمید و ابن ابی حاتم و ابی الشیخ)

ترجمہ: یسیر بن جابر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم لوگ فہم وعقل سے کام لو، جب قرآن کی قرأت کی جائے تو تم اس کی طرف دھیان دو اور چپ رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

٢—عن ابی وائل ان رجلاسال ابن مسعودعن القرأة خلف الامام فقال: انصت للقرأن فان فی الصلوة شغلا وسیکفیك الامام "

(مصنف عبدالرزاق، ج:٢، ص:١٣٨ ومصنف ابن ابی شیبة، ١، ص:٣٧٦ وموطا امام محمد، ص:٩٦ والسنن الکبری، ج:٢، ص:١٦٠ وقال الهیثمی رجاله موثوق مجمع الزوائد، ج:٢، ص:١١٠)

ترجمہ: ابو وائل کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا قرأت کے وقت خاموش رہ کیوں کہ امام نماز میں قرأت میں مشغول ہے اور تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

٣—عن علقمة بن قیس ان عبدالله بن مسعود کان لایقرأخلف الامام فیمایجهرفیه وفیمایخافت فیه فی الاولین ولافی الاخریین" الحدیث (الموطأ، امام محمد، ص:٩٦)"ذکرناه للمتابعةفتدبرو لاتکن من الغافلین".

ترجمہ: علقمہ بن قیس بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے، نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں اور نہ پہلی رکعتوں میں نہ آخری رکعتوں میں۔

٤—عن علقمة عن عبدالله بن مسعود قال لان اعض علی جمر الغضا احب الی من ان اقرأ خلف الامام (کتاب القراة للبیهقی، ص:١٤٥)

ترجمہ: علقمہ حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مجھے جھاؤ

کے انگارے دانتوں سے کاٹنا زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔

٥— عن عقلمه عن ابن مسعود قال: لیت الذی یقرأخلف الامام ملئی فوه ترابا"(رواه الطحاوی، ج:١، ص:١٥٠ ومصنف عبدالرزاق، ج:٢، ص:١٣٨ وآثار السنن، ج:٨٩ واسناده حسن)

ترجمہ: علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کاش کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں مٹی بھری ہوئی ہو۔

آثار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

١— مالك عن نافع ان عبدالله بن عمرکان اذاسئل هل یقرأ احد خلف الامام قال: اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبه قرأة الامام واذا صلی وحده فلیقرأ، قال : وکان عبدالله بن عمر لایقرأ خلف الامام(١) (موطأ مالك، ص:٦٨ واسناده من اصح الاسانید عند البخاریؒ)

ترجمہ: امام مالک بواسطہ نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا جاتا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہے؟ تو آپ فرماتے کہ تم میں سے کوئی جب امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قرأت کافی ہے اور جب تنہا نماز ادا کرے تو خود قرأت کرے۔ اور نافع کہتے ہیں کہ

---

(١) اسی سند سے رفع یدین کی حدیث مروی ہے اس لیے اس کی سند پر کلام چونکہ خلاف مصلحت تھا اس لیے اس صحیح روایت کو بزعم خویش غیر صحیح ثابت کرنے کے لیے محدث کبیر مولانا حافظ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے ایک قاعدہ ایجاد فرمایا چنانچہ ابکار المنن، ص:١٦٥ پر رقمطراز ہیں کہ ابن عمر کا یہ اثر حضرت عمر کے اس اثر سے جو دار قطنی، ج:١، ص:١٢٠ وغیرہ میں ہے معارض ہے اور حضرت عمر اپنے بیٹے عبداللہ سے سنت کے زیادہ بڑے عالم تھے اس لیے حضرت عمر کے اثر کے مقابلہ میں ابن عمر کا اثر مرجوح ہوگا۔

لیکن پھر خود ہی اسی کتاب ابکار المنن، ص:٢٢٤ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کا اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر سے بحر العلم بالسنۃ (سنت کو زیادہ جاننا) ہونا اس کا مقتضی نہیں ہے کہ حضرت عمر کے اثر کو ابن عمر کے اثر پر ترجیح دی جائے" ہم اس تضاد بیانی پر اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

۷– اخبرنا عبید اللہ بن عمر بن حفص عن نافع عن ابن عمر قال: من صلی خلف الامام کفته قرأته (موطأ محمد: ۹۷ واسناده جید)

ترجمہ: امام محمد عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب کے واسطہ نافع سے نقل کرتے ہیں کہ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرے اسے امام کی قرأت کافی ہے۔

۸– عن انس بن سیرین قال: سألت ابن عمر اقرأ مع الامام؟ فقال: انك لضخم البطن(تکفیك(۱)) قرأة الامام" (مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۱۴۰ وکتاب القرأة للبیهقی ۱۵۷ والجوهر النقی مع السنن الکبری، ج:۲ ص:۱۶۳ وسنده صحیح)

ترجمہ: (امام محمد بن سیرین کے بھائی) انس بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کیا امام کے پیچھے میں قرأت کر سکتا ہوں؟ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا تم تو موٹے پیٹ کے ہو (یعنی بیوقوف ہو) تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

۹–عن زیدبن اسلم عن ابن عمر کان ینهی عن القرأة خلف الامام (مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۱۴۰ وسنده صحیح)

ترجمہ: زید بن اسلم حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔

۱۰–عن القاسم بن محمد قال: کان ابن عمر لایقرأ خلف الامام جهر اولم یجهر، الحدیث (کتاب القرأة للبیهقی، ص:۱۸۴ وقال اخرجه سفیان الثوری فی جامعه ورجاله رجال الجماعة)

ترجمہ: قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں

(۱) سقط فی المصنف قوله تاتکفیك وهو موجود فی کتاب القرأة للبیهقی.

کرتے تھے خواہ امام بلند آواز سے قرأت کرے یا آہستہ قرأت کرے۔

۱۱– عن ابن ذکوان عن زید بن ثابت وابن عمر کانا لا یقرأن خلف الامام" (مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۱۴۰ ولذکوان ثلاثة ابناء: سهل وصالح وعباد وکلهم ثقة قاله ابن معین، فاسناده صحیح)

۱۲– عن عبید اللہ بن مقسم انه سأل عبدالله بن عمر، وزید بن ثابت وجابربن عبدالله فقالوا: لایقرأ خلف الامام فی شئ من الصلوات" (معانی الآثار للطحاوی، ج:۱، ص:۱۵۰ وقال النیموی اسناده صحیح آثار السنن، ج:۱، ص:۸۹)

ترجمہ: عبیداللہ بن مقسم روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہؓ سے (امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا) تو تینوں حضرات نے فرمایا کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

آثار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

۱۳– عن عطاء بن یسار انه اخبره انه سأل زیدبن ثابت عن القرأة مع الامام فقال لاقرأة مع الامام فی شئ (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۱۵ وسنن نسائی، ص:۱۱۱ وطحاوی، ج:۱، ص:۱۲۴)

ترجمہ عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی نماز میں قرأت نہیں ہے۔

تشریح: نواب صدیق حسن خاںؒ لکھتے ہیں "وزید بن ثابتؓ گفتہ "لا قرأة مع الامام فی شئ" رواہ مسلم وعن جابرؓ بمعناه وهو قول علیؓ وابن مسعودؓ وکثیر من الصحابة" (ہدایت السائل، ص:۱۹۳)

زید بن ثابت نے فرمایا امام کے ساتھ بالکل قرأت نہیں کی جائیگی

حضرت جابرؓ بھی یہی کہتے ہیں اور حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور بہت سارے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے۔ "کثیر من الصحابۃ" کو بطور خاص پیش نظر رکھا جائے۔

۱٤ — عن موسی عن زید بن سعید بن ثابت قال: من قرأ مع الامام فلا صلوٰة له(۱) (مصنف عبدالرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۷ وکذا رواہ ابن ابی شیبة فی مصنفه عن وکیع عن عمربن محمد عن موسی بن سعیدورواہ الامام محمد فی الموطا، ص: ۱۰۲ واسنادہ صحیح علی قاعدة الامام مسلم، والجمهور الذین یکتفون فی اتصال السند بامکان اللقاء دون التصریح بالسماع حقیقة)

ترجمہ: حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کے پوتے موسیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ان کے دادا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز (کامل) نہیں ہوئی۔

۱۵ — عن عطاء بن یسار عن زیدبن ثابت قال: لاقرأة خلف الامام" (مصنف ابن ابی شیبة، ج: ۱، ص: ۳۷٦)

ترجمہ: عطاء بن یسار حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔

آثار حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

۱٦ — عن ابی نعیم وهب بن کیسان انه سمع جابر بن عبدالله یقول: من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الاوراء الامام (الموطامالک، ص: ۲۸ واسنادہ صحیح واخرجه الترمذی، ج: ۱، ص: ۷۱ وقال

(۱) ومعنی قوله فلا صلوٰة له" ای لا صلوٰة له کاملة" وماقال الحافظ ابن عبدالبرقول زید بن ثابت: من قرأ خلف الامام فصلاته تامة" یدل علی فساد ماروی عنه ای فی هذه الروایة قلت کلا! فان معنی قوله "فصلاته تامة" ای صحیحة لااعادة علی فاعلها وهذا لازمافی الکراهة فلا تعارض بین قوله. والله اعلم (اعلاء السنن، ج: ٤ ص: ۸۸ تعلیقامع تغیر یسیر.

هذاحدیث حسن صحیح واخرجه ابن ابی شیبه، ج: ۱، ص: ۳۷٦ والطحاوی والبیهقی فی السنن الکبری، ج: ۱، ص: ۱٦۰ وقال هذا هوالصحیح عن جابرمن قوله غیر مرفوع)

ترجمہ: ابونعیم وہب بن کیسان روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز نہیں پڑھی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو (یعنی جب امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے تو اب اس پر قرأۃ ضروری نہیں ہے۔

۱۷ — عن عبید الله بن مقسم عن جابر قال: لایقرأ خلف الامام" (مصنف ابن ابی شیبه، ج: ۱، ص: ۳۷٦ وقال ابن الترکمانی وهذا ایضا سند صحیح متصل علی شرط مسلم، الجوهر النقی علی السنن الکبری للبیهقی، ج: ۲، ص: ۱٦۱)

ترجمہ: عبیداللہ بن مقسم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

۱۸ — عن عبیدالله بن مقسم قال: سألت جابربن عبدالله: اتقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر شیئاً؟ فقال: لا. (مصنف عبدالرزاق، ج: ۲، ص: ۱۴۱ واسنده صحیح)

ترجمہ: عبیداللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا ظہر و عصر میں امام کے پیچھے آپ کچھ پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا نہیں، (ظہر و عصر کی قید بطور خاص ملحوظ رکھی جائے جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سری نمازوں میں بھی مقتدی قرأت نہیں کرے گا)

اثر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

۱۹ — عن ابی جمرة قال: قلت لابن عباس، اقرأ والامام بین یدی؟ قال: لا" (طحاوی، ج: ۱، ص: ۱۲۹ والجوهرالنقی علی السنن الکبری للبیهقی، ج: ۲، ص: ۱۷۰ و ذکره العلامة النیموی وقال اسناده حسن آثار السنن، ج: ۱، ص: ۸۹)

ترجمہ: ابو جمرہ نصر بن عمران بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہ سے کہا کیا امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا نہیں۔ یہ روایت بھی اپنے اطلاق سے جہری و سری سب نمازوں کو شامل ہو گی

اثر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

٢٠ – عن كثير بن مرة عن ابى الدرداء قال قام رجل فقال: يا رسول الله افى كل صلوة قرآن ؟قال نعم،فقال رجل من القوم وجب هذا، فقال ابو الدرداء يا كثير وانا الى جنبه لاارى الامام اذا امّ الاقد كفاهم" (رواه الدارقطنى،ج:١،ص:٣٣٢ وقال وُرواه زيدبن الحباب عن معاوية بن صالح بهذا الاسناد وقال فيه فقال رسول الله ﷺ ما ارى الامام الا وقد كفاهم ووهم فيه والصواب انه من قول ابى الدرداء كما قال ابن وهب، وايضااخرجه مرفوعا وقال هذا عن رسول الله الله ﷺ خطاء انما وهو قول ابى الدرداء ، وايضاً رواه الطبرانى مرفوعا وحسنه الحافظ الهيثمى مجمع الزوائد،ج: ١،ص: ١٨٥)

ترجمہ: کثیر بن مرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک صاحب (آنحضرت ﷺ کی مجلس میں) کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تو حاضرین میں سے ایک صاحب بولے پھر تو قرأت واجب ہو گئی، حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ اے کثیر میں اس کے پہلو ہی میں تھا۔ (میں نے کہا) میرا خیال تو یہی ہے کہ امام جب قوم کی امامت کرتا ہے تو اس کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہوتی ہے۔

اثر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

٢١ –عن ابى نجاد عن سعد قال: وددت ان الذى يقرأ خلف الامام

فى فيه جمرة(١)" مصنف ابن ابى شيبة،ج:١،ص:٣٧٦وروى الامام محمدعن بعض ولدسعدبن ابى وقاص انه ذكران سعداقال كذا، موطا، ص: ١٠١)

ترجمہ: ابو نجاد بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کر رہا ہے اس کے منہ میں انگارہ ہو (کیوں کہ وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے خلاف کام کر رہا ہے واللہ اعلم)

اثر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

٢٢ – قال:(عبدالرزاق) واخبرنى موسىٰ بن عقبة،ان رسول الله ﷺ وابوبكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القرآة خلف الامام (مصنف عبدالرزاق ج٢ ص١٣٩"– وهذا مرسل صحيح وموسىٰ بن عقبة امام فى المغازى ثقةثبت كثيرالحديث،وسماع عبدالرزاق عنه ممكن فان موسىٰ قدتوفىٰ سنةاحدى واربعين ومأة) و عبدالرزاق مولده سنة ست وعشرين ومأة كما فى التهذيب ٦/ ٣١٤)

ترجمہ: موسیٰ بن عقبۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرآت کرنے سے منع کرتے تھے۔

آثار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

٢٣ –عن نافع وانس بن سيرين قالا:قال عمربن الخطاب : تكفيك قراة الامام "–(مصنف ابن ابى شيبة ج ١ ص ٣٧٦ وسنده منقطع ولايضر عندنا اذا كان الراوى ثقة)

(١) مصنف ابن ابی شیبۃ، ج:ا، ص، مطبوعہ الدار السلفیہ ١٣٩٩ھ کے نسخہ میں ابی نجاد بکسر النون والجیم ہے جب کہ امام عینی نے عمدۃ القاری، ج: ٣ ص: ٦٧ میں ابو بجاد بکسر الباء الموحدۃ و تخفیف الجیم ضبط کیا ہے اور محدث مولانا محمد حسن فیض پوری الہ نیل المحتین، ص: ٣٤٧ میں لکھتے ہیں رجال اسنادہ ثقات، (احسن الکلام، ص: ٣٩٢)

ترجمہ: نافع اور انس بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تجھے (مقتدی) امام کی قرأت کافی ہے۔

۲۴ – عن محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب قال: ليت في فم الذي يقرأ خلف الامام حجراً (موطأ امام محمد، ص: ۱۰۲ وسنده صحيح)

ترجمہ: محمد بن عجلان سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش کہ اس کے منہ میں پتھر ہو۔

۲۵ – عن قاسم بن محمد قال قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه لا يقرأ خلف الامام جهر اولم يجهر (كتاب القراة للبيهقي، ص: ۱۸۴)

ترجمہ: قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے امام بلند آواز سے قرأت کرے یا بلند آواز سے نہ کرے

اثر حضرت علی و حضرت عمر و حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم

۲۶ – عن محمد بن عجلان قال: قال علي: من قرأ مع الامام فليس على الفطرة، قال: قال ابن مسعود: مُلِئَ فوه تراباً، قال: وقال عمر بن الخطاب: وددت ان الذي يقرأ خلف الامام في فيه حجر" (مصنف عبدالرزاق، ج: ۲، ص: وسنده صحيح مرسلا)

ترجمہ: عبدالرزاق بواسطہ داؤد بن قیس، محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ قرأۃ کی وہ فطرت پر نہیں ہے (اس لیے کہ اس نے قرآن و حدیث کی مخالفت کی) عبدالرزاق نے (اسی سند سے کہا) اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں مٹی بھر دی جائے اور عبدالرزاق نے (یہ بھی) کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے میری خواہش ہے کہ اس کے منہ میں پتھر ہو (تا کہ وہ قرأت نہ کر سکے)

اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ

۲۶ – عن ابن ابي ليلى عن علي قال: من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة(۱) (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج: ۱ ص: ۳۷۶)

ترجمہ: (عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے بھائی) عبد اللہ بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت کھو دی۔

اثر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

۲۸ – عن عبدبن ابي الهذيل ان ابي بن كعب كان يقرأ خلف الامام في الظهر والعصر (مصنف عبدالرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۰)

ترجمہ: عبد اللہ بن ابی ہذیل سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ظہر و عصر یعنی سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

تشریح: امام ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ وتخصيصه الظهر والعصر دليل على انه كان لايقرأ فيما جهر فيه من الصلوات (التمہید، ج: ۱۱، ص: ۳۶) بطور خاص ظہر و عصر کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابیؓ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

اثر حضرت عائشۃ صدیقۃ و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما

۲۹ – (۱) عن ابي صالح عن ابي هريرة وعائشة انهما كانا يأمران

---

(۱) وقال العلامة المحدث حبيب الرحمن الاعظمي. وقد حمل التعصب القائلين بالقراة على تضعيفه بل تكذيبه مع انه روى من عدة طرق عن ابن الاصفهاني وغيره عن عبدالله بن ابي ليلى، فراجع طرقه في كتاب القراة وفي هذا الكتاب وعبد الله هذا ليس بمجهول فقد روى عنه غير واحد مصنف عبدالرزاق ج: ۲ ص: ۱۳۷ تعليقا.

بالقرأة وراء الامام اذالم یجھر " (السنن الکبری، ج: ۲، ص: ۱۷۱)

ترجمہ: ابو صالح ذکوان سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ حکم دیتے تھے کہ امام جب جہری قرأت نہ کرے تو اس کے پیچھے قرأت کی جائے۔

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہیں تھے۔ امام بیہقی نے ان دونوں اکابر صحابہ کا یہ عمل دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ اور دونوں کی سندیں جید ہیں۔

بغرض اختصار انہیں آثار کے ذکر پر اس باب کو ختم کیا جاتا ہے ورنہ اس سلسلے میں اور آثار بھی پیش کئے جاسکتے ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ فقہائے صحابہ میں سے حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، سعد بن وقاص، ابی بن کعب، عائشہ صدیقہ، ابوہریرہ، ابودرداء، رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب حضرات (باستثناء حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوہریرہ حضرت ابی بن کعب) مطلقاً قرأۃ خلف الامام کے قائل نہیں ہیں بلکہ امام شعبی تو بیان کرتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھا ہے کہ وہ سب امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنے سے منع کرتے تھے (روح المعانی، ج: ۹، ص: ۱۳۵)

اور حافظ بدر الدین عینی اور علامہ علی قاری صراحت کرتے ہیں کہ اسی ۸۰ حضرات صحابہ سے امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کا ثبوت ملتا ہے (عمدۃ القاری شرح البخاری، ج: ۳، ص: ۶۷، وشرح نقایہ، ج: ۱، ص: ۸۳) وکفی بھم قدوۃ۔

اب ذیل میں چند تابعین واتباع تابعین کے اقوال و آثار ملاحظہ کیجئے تاکہ ان بزرگوں کا نقطۂ نظر بھی مسئلہ زیر بحث کے بارے میں سامنے آجائے۔

آثار تابعین رحمہم اللہ اجمعین

اثر حضرت علقمہ بن قیس متوفی ۶۸ھ

۱-(۱) عن ابراھیم ماقرأ علقمة بن قیس قط فیما یجھر فیه ولافیما لایجھر فیه، ولا فی الرکعتین الاخریین ام القرآن ولا غیرھا خلف الامام (کتاب الآثار لا مام محمدمع تعلیق الاستاذ الشیخ ابو الوفاء الافغانی، ج: ۱، ص: ۱۶۳ وقال المحدث النیموی اسنادہ صحیح (آثار السنن، ج: ۱، ص: ۹۰ تعلیقا)

ترجمہ: ابراہیم نخعیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کبھی کسی نماز میں قرأت نہیں کی نہ جہری نمازوں میں اور نہ سری میں (نہ پہلی رکعتوں میں) نہ پچھلی رکعتوں میں نہ سورۂ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورۃ۔

۲-(۲) عن ابی اسحاق ان علقمة بن قیس قال: وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملئی فوہ، قال: احسبه قال: ترابا اورضفا"

(مصنف عبدالرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۹ واسنادہ صحیح)

ترجمہ: ابواسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ بن قیسؒ نے فرمایا میری خواہش ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ بھر دیا جائے، ابواسحاق کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا اس کا منہ مٹی سے یا تپتے ہوئے پتھر سے بھر دیا جائے۔

۳-(۳) عن ابراھیم النخعی عن علقمة بن قیس قال: لان اعضَّ علی جمرة احبَّ الی من ان اقرأ خلف الامام" (موطأ امام محمد واسنادہ حسن)

ترجمہ: ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت علقمہ بن قیسؒ نے فرمایا مجھے دانت

سے انگارہ کا کاٹنا زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔

تشریح: یہ روایتیں صاف بتارہی ہیں کہ حضرت علقمہؒ جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے اہم ترین تلامذہ میں ہیں نہ صرف یہ کہ قرأت خلف الامام کے قائل اور اس پر عامل نہیں تھے بلکہ وہ قرأت خلف الامام کو حد درجہ ناپسند کرتے تھے۔

اثر حضرت عمرو بن میمون متوفی ۷۴ھ و دیگر تلامذۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۴-(۱) عن مالك بن عمارة(۱) قال سألت لاادری کم رجل من اصحابه عبدالله کلهم يقولون لايقرأ خلف امام منهم عمرو بن ميمون، (مصنف ابن ابی شيبة، ج:۱، ص:۳۷۷)

ترجمہ: مالک بن عمارہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے بیشمار تلامذہ سے (قرأۃ خلف امام کے بارے میں) پوچھا تو سب نے یہی جواب دیا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کی جائے گی ان میں عمرو بن میمون خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۵-(۲) عن ابی اسحاق قال: کان اصحاب عبدالله لايقرؤن خلف الامام" (مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۱۴۰ واسناده صحيح)

ترجمہ: ابو اسحاق سبیعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

تشریح: اس موقع پر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ "اصحاب عبداللہ" علمی دنیا میں

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ میں مالک بن عمارۃ ہے جن کے بارے میں علامہ النیموی لکھتے ہیں "لم اقف من ہو" لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمارہ نہیں بلکہ مالک بن عامر ابو عطیہ الوادعی ہیں جن سے اشعث بن ابی الشعثاء روایت کرتے ہیں اور خود مالک بن عامر حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلمیذ ہیں امام ذہبی لکھتے ہیں "صاحب ابن مسعود ثقۃ قدیم، میزان الاعتدال، ج:۴، ص:۵۵۳، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے تہذیب التہذیب، ج:۱۲، ص:۱۵۲ الکنی واللہ اعلم بالصواب۔

اپنے علوم و معارف اور سیرت و کردار کے اعتبار سے اپنی ایک خاص پہچان رکھتے تھے چنانچہ حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی جیسا عبقری صحابیٔ رسول جب کوفہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان تلامذہ کی علمی و عملی سرگرمیوں کو دیکھ کر فرمایا "اصحاب عبدالله سرج هذه القرية" (طبقات ابن سعد، ج:۶، ص:۴) عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ اس شہر کے روشن چراغ ہیں۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ روشن چراغ کل کے کل امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

اثر حضرت اسود بن یزید متوفی ۷۵ھ

۶-(۱) عن ابراهيم قال: قال الاسود: لان اعض علی جمرة احب الیّ ان اقرأ خلف الامام اعلم انه يقرأ (مصنف ابن ابی شيبة ج:۱ ص:۳۷۶، وسنده صحيح)

ترجمہ: ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ اسود بن یزیدؒ نے فرمایا مجھے دانتوں سے انگارہ کاٹنا اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ قرأت کرتا ہے۔

۷-(۲) عن دبرة عن الاسود بن يزيد انه قال: وددت ان الذی يقرأ خلف الامام ملئی فوه ترابا(۱) وعن الاعمش عن ابراهيم عن الاسود

(۱) اسی طرح کے دیگر بعض آثار میں بھی قرأت خلف الامام کرنیوالوں کے سلسلے میں سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں جیساکہ اگلے صفحات میں ناظرین کے ملاحظہ سے وہ گذر چکے ہیں۔ ان آثار کا صاف و سیدھا مطلب یہی ہے کہ وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی خلاف ورزی نہ کرتا تو بہتر تھا خواہ اس خلاف ورزی سے بچنے میں اس کو کچھ دنیاوی تکلیف برداشت کرنی پڑتی مثلاً منہ میں مٹی یا انگارے ہوتے تو اس کی وجہ سے وہ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے باز رہتا۔

لیکن بایں ہمہ بعض بزرگوں نے ان سخت الفاظ کے پیش نظر صحیح سندوں سے ثابت ان آثار پر معنوی اعتبار سے نقد فرماتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس طرح کا کلام اہل علم بالخصوص حضرات صحابہ و تابعین کے شایان شان نہیں ہے اس لیے ان آثار کا ثبوت محل نظر ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اس نقد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس طرح کے آثار ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو امام کی قرأت سن رہے ہوں اور اس کے باوجود وہ اپنی قرأت جاری رکھے ہوئے ہوں یہ حضرات ان لوگوں کے (بقیہ: اگلے صفحہ پر)

مثلہ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ،ج:۱ص:۳۷۷ ورواتہ ثقات ورواہ عبدالرزاق فی مصنفہ عن ابراہیم عن الاسود مثلہ (ج:۲، ص:۱۳۸)

ترجمہ: دبرہ بن عبدالرحمٰن اور ابراہیم نخعی دونوں حضرت اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میری خواہش ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

اثر حضرت سوید بن غفلةؒ متوفی ۸۱ھ

۸-(۱)عن الولید بن قیس قال: سألت سوید بن غفلة اقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر؟فقال:لا (مصنف ابن ابی شیبۃ،ج:۱،ص:۳۷۷)

ترجمہ: ولید بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سوید بن غفلہؒ سے پوچھا کیا میں ظہر وعصر میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ تو فرمایا نہیں۔

تشریح: سائل ولید بن قیس کو دیگر جہری نمازوں کے بارے میں معلوم تھا کہ ان میں امام کے پیچھے قرأت کرنی درست نہیں ہے البتہ ظہر وعصر جو سری نمازیں ہیں ان کے بارے میں تردد تھا کہ ان نمازوں میں مقتدی کی قرأت کا کیا حکم ہے اس لیے حضرت سوید سے دریافت کیا تو انہوں نے مسئلہ صاف

(بقیہ: گذشتہ صفحہ کا) مثل ہیں جن کے بارے میں آنحضور ﷺ "مالی انازع القرآن" یا علمت ان بعضکم خالجنیها" فرمایا ہے۔

اس لیے اگر کسی کی تحقیق یا اعتقاد یہ ہو کہ امام کی قرأت سننے کے وقت مقتدی کا خود قرأت کرنا اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ہے اور ایسا کرنے والا نہی خداوندی کا مرتکب ہے تو اس کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ اس کے منہ میں کوئی ایسی تکلیف ہو جاتی جس سے وہ معصیت سے محفوظ ہو جاتا، کیوں کہ مبتلائے مصیبت ہونا مبتلائے معصیت ہونے سے آسان اور کمتر ہے، یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسے کلمۂ حرام زبان سے ادا کرنے والے کے بارے میں کہہ دیا جائے "لو کنت اخرس لکان خیر الك" اگر تم گونگے ہوتے تو تمہارے لیے اس سے بہتر تھا...... پھر ان آثار میں لعنت یا تعذیب نہیں ہے صرف اس کی خواہش کا اظہار ہے کہ یہ ایسی چیز میں مبتلا ہو جاتا جو اس کو گناہ کے ارتکاب سے روک دیتی، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ عملاً سزا دینے اور سزا کی خواہش میں فرق ہے (مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ،ج:۲۳،ص:۳۰۶)

کر دیا کہ سری نمازوں میں بھی مقتدی کو قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

اثر حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ متوفی ۸۲ھ

۹-عن عمرو بن مرة عن ابی وائل قال: تکفیك قرأة الامام (مصنف ابن ابی شیبہ ،ج:۱،ص:۳۷۷ ورجال اسنادہ رجال الجماعة)

ترجمہ: عمرو بن مرة حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تجھے امام کی قرأت کافی ہے۔

اثر حضرت سعید بن جبیرؒ متوفی ۹۴ھ

۱۰-(۱)عن ابی بشر عن سعید بن جبیر قال:سألته عن القرأة خلف الامام؟ قال:لیس خلف الامام قرأة" (مصنف ابن ابی شیبہ:ج:۱ ص:۳۷۷"

وقال المحدث النیموی رواته کلهم ثقات (آثار السنن ج۱ ص۹۰ تعلیقا)

ترجمہ: ابو بشر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا؟ تو فرمایا کہ امام کے پیچھے بالکل قرأت نہیں ہے۔

اثر حضرت سعید بن المسیبؒ متوفی ۹۴ھ

۱۱-عن قتادة عن سعید بن المسیب قال: انصت للامام (مصنف ابن ابی شیبة ،ج:۱،ص:۳۷۷ وقال المحدث النیموی اسنادہ صحیح)

ترجمہ: قتادہ حضرت سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے فرمایا امام کے پیچھے خاموش رہو (یعنی قرأت نہ کرو کیوں کہ آہستہ قرأت کرنا بھی انصات وخاموشی کے خلاف ہے جیسا کہ اگلے صفحات میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اثر حضرت عروہ بن زبیر متوفی ۹۴ھ

۱۲-عن هشام بن عروة عن ابیه انه کان یقرأ خلف الامام فیما لا

يجهر فيه الامام بالقرأة (موطا امام مالك، ص: ٢٩ صحيح على شرط الشيخين)

ترجمہ: ہشام بن عروہ اپنے والد حضرت عروۃ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ امام کے پیچھے صرف ان نمازوں میں قرأت کرتے تھے جن میں امام، بلند آواز سے قرأت نہیں کرتا۔

تشریح: یہ اثر جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کے بارے میں بالکل واضح اور صاف ہے۔

اثر حضرت ابراہیم نخعی متوفی ٩٦ھ

١٣ –عن مغيرة عن ابراهيم انه كان يكره القرأة خلف الامام و كان يقول تكفيك قرأة الامام" (مصنف ابن ابی شیبة، ج: ١، ص: ٣٧٧ ورجاله ثقات)

ترجمہ: مغیرہ بن مقسم الضبی حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم امام کے پیچھے قرأت ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تجھے امام کی قرأت کافی ہے۔

١٤ –عن اكيل عن ابراهيم قال: الذى يقرأ خلف الامام شاق.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج: ١، ص: ٣٧٧ واسنادہ صحیح)

ترجمہ: اکیل (موذن ابراہیم نخعی) حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ مخالفت کرنے والا ہے یعنی قرآن وحدیث کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

اثر حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ الخطاب متوفی ١٠٦ھ

١٥ – عن الزهرى عن سالم بن عبدالله قال: يكفيك قراة الامام فيما يجهر فى الصلوة الحديث (مصنف عبدالرزاق، ج: ٢، ص: ١٣٩ ورجال سنده رجال الجماعة)

ترجمہ: امام زہری حضرت سالم بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام جن نمازوں میں جہر سے قرأت کرتا ہے تجھے اس کی قرأت کافی

ہے۔ یعنی مقتدی کو قرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔

اثر حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیقؓ متوفی ١٠٧ھ

١٦ – عن ربيعة بن ابى عبدالرحمن ان القاسم بن محمد كان يقرأ خلف الامام فيما لا يجهر فيه الامام بالقرأة (موطأ امام مالك، ص: ٢٩.

ترجمہ: امام ربیعۃ الرای سے مروی ہے کہ حضرت قاسم بن محمد امام کے پیچھے ان نمازوں میں قرأت کرتے تھے جن میں وہ جہری قرأت نہیں کرتا تھا یعنی جہری نمازوں میں قرأت نہیں کرتے تھے صرف سری میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

١٧- اثر حضرت محمد بن سیرین متوفی ١١٠ھ

١٧ –الثقفى عن ايوب عن محمد قال: لااعلم القرأة خلف الامام من السنة (التعليق الحسن على آثار السنن، ج: ١ ص: ٩٠ ومصنف ابن ابی شیبة، ج: ١، ص: ٣٧٧)

ترجمہ: عبد الوہاب ثقفی بواسطہ ایوب سختیانی حضرت محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو سنت نہیں جانتا یعنی دین اسلام میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کا طریقہ رائج ہو یہ مجھے معلوم نہیں۔

اثر حضرت امام زہری متوفی ١٢٤ھ

١٨ –عن معمر عن الزهرى قال: اذا جهر الامام فلا تقرأ شيئاً.

(مصنف عبد الرزاق ج: ٢، ص: ١٣٢-١٣٣ وسندہ صحیح)

ترجمہ: معمر حضرت امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب امام بلند آواز سے قرأت کرے تو تم اس کے پیچھے کچھ بھی نہ پڑھو۔

تشریح: یہ صحیح السند اثر اپنے معنی میں نہایت واضح اور صاف ہے کہ امام زہریؒ جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کو جائز نہیں سمجھتے اسی لیے اس سے منع کر رہے ہیں۔

آپ کے پیش نظر یہ آثار واقوال ان کبار ائمہ حدیث وفقہ کے باقیات صالحات اور قرآن وحدیث سے ماخوذ علوم وتحقیقات ہیں جو ان اکابر اور سلف

صالحین کو حضرات صحابہ کی بابرکت اور فیاض صحبت سے حاصل ہوئے ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ان بزرگوں میں سے اکثر کے نزدیک کسی بھی نماز میں اور بعض حضرات کے نزدیک صرف جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے قرأت کرنی جائز و پسندیدہ نہیں ہے چنانچہ سید المحدثین امام اہل سنت احمد ابن حنبل علم و یقین کی بھرپور طاقت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

"ماسمعنا احدا من اهل الاسلام يقول ان الامام اذا جهر بالقرأة لاتجزى صلوة من خلفه اذالم يقرأ وقال هذالنبى صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعون،وهذا مالك فى اهل الحجاز،وهذا الثورى فى اهل العراق،وهذا الاوزاعى فى اهل الشام،وهذا الليث فى اهل مصر ماقالوا الرجل صلى وقرأ امامه ولم يقرأهو صلوته باطلة" (المغنى لموفق الدين ابن قدامة،ج:۱،ص:۳۳۰ الدارالفكر ۱۴۰۵)

ہم نے علمائے اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ امام کی جہری قرأت کے وقت اس کے پیچھے جو قرأت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں اور امام احمد نے فرمایا یہ ہیں رسول اللہ ﷺ، اور یہ ہیں آپ کے صحابہ اور ان کے تابعین، اور یہ ہیں اہل حجاز میں امام مالک، اور اہل عراق میں امام ثوری، اور اہل شام میں امام اوزاعی اور اہل مصر میں امام لیث، کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرے اور اس کے امام نے قرأت کی اور اس مقتدی نے قرأت نہیں کی تو اس کی نماز باطل ہے۔

امام المحدثین سیدنا احمد بن حنبل کی اس عبارت کو پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ آج کل جو کچھ لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والوں کی نماز صحیح نہیں ہوتی انکے اس پروپیگنڈہ کی دلائل و براہین کی دنیا میں کیا حیثیت ہے۔ کیا یہ لوگ امام احمد علیہ الرحمہ کی اس تحقیق کے اعتبار سے رسول خدا (ﷺ) آپ کے صحابہ، حضرات تابعین اور عالم اسلام کے ائمہ مجتہدین کے بالمقابل ایک ایسی بات نہیں کہہ رہے ہیں جو تیسری صدی ہجری کے وسط تک بقول امام احمد سنی نہیں گئی۔

قرآن حکیم، احادیث رسول، آثار صحابہ و تابعین کے بعد ذیل میں فقہائے مجتہدین و اکابر محدثین کے مذاہب ملاحظہ کیجئے۔ جو در حقیقت قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ ہی سے ماخوذ شرعی احکام ہیں ان بزرگوں نے (جن کی علمی جلالت شان اور تقوی و خشیت الہی اور امت مسلمہ کی خیر خواہی مسلمات میں سے ہے) ان نصوص سے اصول و ضوابط کی رہنمائی میں جو کچھ سمجھا ہے اسے اپنے الفاظ میں امت کے سامنے پیش کردیا ہے تاکہ انہیں شریعت پر عمل کرنے میں سہولت و آسانی ہو اس لیے کہ براہ راست نصوص سے احکام و مسائل کا سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے یہ حضرات بلاشبہ امت کے محسن ہیں۔ فجزاهم الله خير الجزاء۔

قرأت خلف الامام اور مذاہب ائمہ مجتہدین و اکابر محدثین

امام اعظم ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا مذہب

امام ابو حنیفہؒ سری و جہری کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہیں ہیں چنانچہ امام صاحب کے نامور شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ اپنی مشہور کتاب موطا امام محمد میں لکھتے ہیں۔

قال محمد: لاقرأة خلف الامام فيما يجهرفيه ولافيما لم يجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابى حنيفة (ص:۹۶-۹۷)

ترجمہ: امام کے پیچھے مطلقاً قرأت نہیں ان نمازوں میں بھی جن میں امام قرأت جہر سے کرتا ہے اور ان میں بھی جن میں وہ قرأت آہستہ کرتا ہے اسی حکم پر عام آثار دلالت کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول و مذہب ہے۔

اسی طرح اپنی دوسری مشہور تالیف "کتاب الآثار" میں امام ابو حنیفہؒ کی سند سے حدیث رسول اللہ ﷺ "من صلى خلف امام فان قرأة الامام له قرأة" جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأۃ ہی مقتدی کی قرأت (کے حکم میں) ہے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

قال محمد: وبه ناخذ(۱)، وھو قول ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ(کتاب الآثار مع تعلیق الشیخ ابوالوفا افغانی، ص:۱۸۵ الطبعۃ الرابعہ ۱۴۱۵ھ)

ترجمہ: اسی حدیث پاک کے مطابق ہمارا مذہب ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی قول و مذہب ہے۔

امام طحاوی احمد بن محمد بن سلامہؒ متوفی ۳۲۱ھ "باب فی القرأۃ خلف الامام" کے تحت لکھتے ہیں۔

قال اصحابنا، وابن ابی لیلیٰ، والثوری، والحسن بن حی: لا یقرأ فیما جھر ولا فیما اسر" (مختصر اختلاف العلماء، ج:۱، ص:۲۰۳-۲۰۵ رقم المسألۃ۱۴، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۱۷ھ)۔

ترجمہ: ہمارے اصحاب یعنی فقہائے احناف، اور ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری، حسن بن حی کہتے ہیں کہ (امام کے پیچھے) جہری و سری کسی نماز میں قرأت نہ کی جائے۔

تشریح: امام طحاوی کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مشہور امام حدیث و مجتہد سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ اور نامور فقیہہ و قاضی محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ متوفی ۱۴۸ھ اور محدث و مجتہد حسن بن صالح بن حی متوفی ۱۶۸ھ بھی احناف کیساتھ ہیں نیز مشہور امام حدیث سفیان بن عیینہ کا بھی یہی مذہب ہے

امام دارالہجرت مالک بن انسؒ متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنی درست نہیں ہاں سری نمازوں میں ان کے نزدیک مقتدی کو قرأت کرنی افضل و بہتر ہے واجب اور ضروری نہیں، لہٰذا اگر کوئی مقتدی سری نماز میں قرأت نہ کرے تو امام مالک کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہو جائے گی لیکن اس حالت میں اس کا قرأت ترک کرنا ناپسندیدہ اور برا ہے۔

(۱) امام محمد رحمہ اللہ نے مسئلہ قرأت خلف الامام کا ذکر نہ جامع صغیر میں کیا ہے اور نہ ہی صراحتاً مبسوط کی کتاب الصلوٰۃ میں البتہ بعض مسائل کے ضمن میں اس کا حکم سمجھا جاسکتا ہے دیکھئے کتاب الصلوٰۃ من الاصل، ص:۷۔۴۔ ہاں موطا اور کتاب الآثار کی طرح کتاب الحجہ میں اس مسئلہ پر صراحتاً گفتگو کی ہے اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کو دلائل سے ثابت کیا ہے تفصیل کے طلبگار کتاب الحجہ، ج:۱، ص:۱۳۱ کو دیکھیں۔

چنانچہ موطا میں امام مالکؒ کے تلمیذ یحییٰ امام مالک کا مذہب خود ان کی زبانی ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

قال یحیی سمعت مالکاً یقول: الامر عندنا ان یقرأ الرجل وراء الامام فیما لا یجھر فیہ بالقرأۃ ویترك القرأۃ فیما یجھر فیہ الامام بالقرأۃ (ص:۲۹)

ترجمہ: ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ مقتدی ان نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرے گا جن میں امام سری قرأت کرتا ہے اور ان نمازوں میں قرأت نہیں کرے گا جن میں امام جہری قرأت کرتا ہے۔

مشہور مالکی عالم امام حافظ عبدالبر لکھتے ہیں۔

ولاتجوز القرأۃ عن اصحاب مالك خلف الامام اذا جھر بالقرأۃ وسواء سمع المأموم قرأتہ ام لم یسمع، لانھا صلاۃ جھر فیھا الامام بالقرأۃ فلا یجوز فیھا لمن خلفہ القرأۃ.........

پھر آگے لکھتے ہیں:

وسواء عندھم ام القرآن وغیرھا، لا یجوز لاحد ان یتشاغل عن الاستماع لقرأۃ امامہ، والانصات لا بام القرآن ولا غیرھا ولوجاز للمأموم ان یقرأ مع الامام اذا جھر لم یکن لجھر الامام بالقرأۃ معنی لانہ انما جھر لیستمع لہ وینصت وام القرآن وغیرھا فی ذلك سواء والله اعلم. (التمھید، ج:۱۱، ص:۳۷-۳۸)

ترجمہ: اور اصحاب مالکؒ کے نزدیک جب امام جہری قرأت کرے تو اس کے پیچھے قرأت جائز نہیں ہے۔ خواہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو، کیوں کہ یہ ایسی نماز ہے جس میں امام جہری قرأت کررہا ہے لہٰذا اس میں جو شخص امام کے پیچھے ہے اسے قرأت کرنی جائز نہیں ہوگی۔

اور مالکیہ کے نزدیک اس حکم میں سورۃ فاتحہ وغیرہ سب یکساں ہیں۔ کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ امام کی قرأت کی جانب توجہ اور خاموشی کو چھوڑ کر سورۃ فاتحہ وغیرہ کی قرأت میں مشغول ہو۔ اگر امام کی جہری قرأت کے وقت مقتدی کے لیے قرأت کرنی جائز قرار دی جائے۔ تو

پھر امام کے جہر کرنیکا کوئی معنی ہی نہیں اس لیے کہ امام بلند آواز سے قرأت اسی لیے کرتا ہے کہ وہ توجہ سے سنی جائے اور خاموش رہا جائے اور استماع وانصات کے اس حکم میں سورۂ فاتحہ اور دیگر سورتیں سب یکساں ہیں۔

اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے آگے یہ لکھتے ہیں:

ثم اختلف هؤلاء في وجوب القرأة ههنا اذا اسرّ الامام، فذهب اكثر اصحاب مالك الى ان القرأة عندهم خلف الامام فيما اسربه الامام سنة،ولا شئ على من تركها الا انه اساء،وكذلك قال: جعفر الطبري قال: القرأة فيما اسرّفيه الامام سنة مؤكدة ولا تفسد صلوة من تركها وقداساء.

وذكر خواز منداد: ان القرأة عند اصحاب مالك خلف الامام فيمااسرّفيه بالقرأةمستحبة غير واجبة وكذلك قال الابهري، واليه اشار اسماعيل بن اسحاق. (التمهيد ج:۱۱،ص:۵۳-۵۴)

ترجمہ:(پھر وہ علماء جو سری نمازوں میں مقتدی کی قرأت کے قائل ہیں) اس کے وجوب (اور عدم وجوب) میں مختلف الرائے ہوگئے اکثر مالکیہ کا یہ مذہب ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے ان میں مقتدی کا قرأت کرنا سنت ہے۔اور جو شخص قرأت چھوڑدے اس پر کچھ لازم نہیں البتہ اس نے قرأت چھوڑ کر برا کیا۔ مشہور امام حدیث اور فقیہ مجتہد امام طبری کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جن نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے ان میں مقتدی کا قرأت کرنا سنت موکدہ ہے اور جو مقتدی اس حالت میں قرأت چھوڑدے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ اس نے کوتاہی کی۔

اور مالکی فقیہ خواز منداد نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کے اصحاب کے نزدیک سری نمازوں میں مقتدی کا قرأت کرنا مستحب، غیر واجب ہے یہی بات امام ابہری نے بھی کہی ہے اور اسی کی جانب قاضی اسماعیل بن اسحاق نے بھی اشارہ کیا ہے۔

ان تصریحات سے یہ بات بالکل صاف طور پر سامنے آگئی کہ امام مالکؒ اور انکے اکثر مقلدین کے نزدیک جہری نمازوں میں مقتدی کا قرأت کرنا جائز نہیں اور سری

نمازوں میں بھی اس پر قرأت کرنی واجب اور ضروری نہیں البتہ بہتر و پسندیدہ ہے۔

حضرت امام شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب

امام شافعیؒ کا مذہب جو حضرات شوافع کی معتبر و معتمد کتابوں میں منقول ہے وہ یہ ہے کہ سری وجہری سب نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے، چنانچہ شرح مہذب میں یہ تصریح موجود ہے۔ان مذهنا وجوب قرأة الفاتحة على المأموم في كل الركعات من الصلوة السرية والجهرية هذا هو الصحيح عندنا۔ ہمارا (یعنی شوافع کا) مذہب یہ ہے کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ کی قرأت جہری وسری سب نمازوں کی ہر رکعت میں واجب ہے، ہمارے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے۔

حضرات شوافع کا عام طور پر یہی عمل ہے اور دیگر علماء بھی ان کا یہی مذہب ومسلک نقل کرتے ہیں چنانچہ امام شافعیؒ کے بیک واسطہ شاگرد امام طحاوی اختلاف العلماء میں لکھتے ہیں۔

وقال الشافعي:يقرأ فيما جهر وفيما اسرّ في رواية المزني، وفي البويطي انه يقرأ فيما اسرّبام القرآن وسورة في الاولين،وام القرآن في الآخرين ،وماجهر فيه الامام لايقرأ من خلفه الابام القرآن (مختصر اختلاف العلماء، ج:۱،ص:۲۰۵)

ترجمہ:امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مقتدی سری اور جہری نمازوں میں قرأت کرے یہ امام مزنی تلمیذ امام شافعیؒ کی روایت ہے،اور امام شافعی کے دوسرے شاگرد البویطی "یوسف بن یحییٰ" کی روایت میں یہ ہے کہ مقتدی سری نمازوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ پہلی دونوں رکعتوں میں پڑھے اور آخری رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے۔اور جن نمازوں میں امام جہری قرأت کرتا ہے ان میں امام کے پیچھے فقط سورۂ فاتحہ پڑھے۔

امام طحاوی کی اس عبارت سے یہ واضح نہیں ہو رہا ہے کہ مقتدی پر یہ قرأت واجب ہے یا، غیر واجب۔

امام شافعی کے مذہب کے بارے میں علماء شوافع اور دیگر عام علماء کی ان تصریحات کے برخلاف خود امام شافعیؒ کی اپنی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام اور منفرد پر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب اور ضروری ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہ ہوگی اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورۃ کا پڑھنا مستحب اور پسندیدہ ہے اور مقتدی کا حکم اس کے علاوہ ہے چنانچہ امام شافعیؒ اپنی مشہور گرانقدر تصنیف کتاب الام میں لکھتے ہیں۔

فواجب علی من صلی منفردا او اماماان یقرأ بام القرآن فی کل رکعة لا یجزئه غیرها،واحب ان یقرأ معها شیئًا آیة اواکثر، وسا ذکر المأموم انشاء الله تعالی(ج:۱ص:۹۳)

ترجمہ: منفرد اور امام پر واجب ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے، سورۂ فاتحہ کی جگہ کوئی اور سورت کفایت نہیں کرسکتی۔ اور مجھے یہ بھی پسند ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرآن میں سے کچھ اور بھی پڑھیں خواہ ایک آیت یا اس سے زیادہ اور میں مقتدی کا حکم آگے بیان کروں گا انشاءاللہ۔

حضرت امام شافعیؒ اس عبارت میں بالکل واضح الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ منفرد اور امام کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھیں۔ اور اسی کیساتھ یہ بھی صاف لفظوں میں لکھ رہے ہیں کہ مقتدی کا حکم میں آئندہ بیان کروں گا جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انکے نزدیک مقتدی کا حکم اسکے علاوہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ وعدہ کے مطابق اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں

ونحن نقول: کل صلاۃ صلّیت خلف الامام،والامام یقرأ قرأۃ لایسمع فیها قرافیها" (کتاب الام، ج:،ص:١٦٦)

ترجمہ: اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام ایسی قرأت کررہا ہے جو سنی نہ جاتی ہو، مقتدی اس میں قرأت کرے۔

امام موصوف کے یہ الفاظ بتارہے ہیں کہ انکے نزدیک مقتدی امام کے پیچھے صرف انہیں نمازوں میں قرأت کریگا جن میں امام کی قرأت سنی نہیں جاتی، یعنی سری نمازوں میں قرأت کرے گا اور جہری نمازوں میں نہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کی اس تصریح کے پیش نظر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شوافع کے یہاں اس مسئلہ میں تشدد امام موصوف کے بعد آیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب

مسلک حنبلی کے مشہور محقق فقیہ و محدث موفق الدین ابن قدامہ مسئلہ زیر بحث میں امام احمدؒ کے مذہب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وجملة ذلك ان المأموم اذا كان يسمع قرأة الامام لم تجب عليه القرأة ولا تستحب عندامامنا الخ (المغنی،ج:۱،ص:۳۲۹)

اس مسئلہ میں حاصل کلام یہ ہے کہ مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہو تو اس پر قرأت کرنی واجب نہیں بلکہ ہمارے امام (امام احمد) کے نزدیک مستحب و بہتر بھی نہیں۔

اور امام تیمیہ تو لکھتے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو امام احمدؒ خلاف اجماع اور شاذ فرماتے تھے چنانچہ تنوع العبادات میں امام موصوف لکھتے ہیں۔

"بخلاف وجوبهافی حال الجهرفانه شاذحتی نقل احمد الاجماع علی خلافه" (ص:۸۷) حالت جہر میں سورۂ فاتحہ کا امام کے پیچھے بطور وجوب کے پڑھنا شاذ ہے حتی کہ امام احمدؒ نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔

امام ابن قدمہ نے بھی جہری نمازوں میں مقتدی کے عدم قرأت پر یہ اجماع نقل کیا ہے دیکھئے المغنی، ج:۱، ص:۳۳۰۔

ائمہ مذاہب اربعہ کی ان تفصیلات سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہوگئی کہ بشمول امام شافعی، چاروں ائمہ متبوعین کے نزدیک جہری نماز میں مقتدی کے لیے قرأت کرنی خلاف اولی اور درست نہیں ہے۔

کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، حضرات صحابہ و تابعین وائمہ متبوعین اور اکابر محدثین کی یہ تصریحات آپ کے سامنے ہیں۔

۱-احکم الحاکمین کا وجوبی حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی جانب کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔
۲-رسول رب العالمین امام کے پیچھے قرأت کرنے کو منازعت و مخالجت فرما رہے ہیں۔اور صاف لفظوں میں حکم دے رہے ہیں کہ امام جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔
۳-رسول خدا ﷺ نے امت کو جو آخری نماز پڑھائی اس میں آپ نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھا۔(تفصیل گذر چکی ہے) آپ کا یہ آخری عمل اس بات کی بین دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ادا ہو جاتی ہے۔
۴-خلفائے راشدین امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔
۵-فقہائے صحابہ میں سے اکثر حضرات سے ثابت ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کو پسند نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے منع کرتے تھے۔
٦-حضرات تابعین بھی امام کے پیچھے قرأت کو پسند نہیں کرتے تھے۔
۷-ائمہ متبوعین امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ جہری نمازوں میں مقتدی کی قرأت کو درست نہیں سمجھتے۔غرضیکہ امت کا سواد اعظم، اسلام کے عہد آغاز سے آج تک اسی پر عمل پیرا ہے۔
تفصیلات گذر چکی ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود کچھ لوگ کہتے ہیں کہ۔
۱-سورۂ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی کسی کی نماز نہیں ہوتی۔
۲-جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے باطل ہے اور اپنے اس خلاف اجماع و شاذ عمل کی تبلیغ و ترویج میں اس طرح کوشاں ہیں گویا ان کے نزدیک دین کی سب سے بڑی خدمت اس وقت یہی ہے۔اور اپنے اس رویہ سے مسلمانوں میں انتشار واختلاف پیدا کر رہے ہیں فالی اللہ المشتکیٰ۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی خاتم الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین.